مسلکِ اعلیٰ حضرت

تعریفات و خصوصیات

مؤلف

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

حسب فرمائش

مولانا رحمت اللہ صدیقی

ناشر: انجمن خدام نوری سبحانپور کٹوریہ ضلع بانکا بہار

تقسیم کار: حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں شریف یوپی

مسلکِ اعلیٰ حضرت

تعریفات و خصوصیات

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

مسلکِ اعلیٰ حضرت
تعریفات وخصوصیات

مؤلف

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

حسب فرمائش

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر

حضرت تحشی اکیڈمی، بدایوں شریف یوپی

☆......نام کتاب......................مسلکِ اعلیٰ حضرت تعریفات وخصوصیات
☆......نام مصنف......................مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
☆......حسب فرمائش......................مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی
☆......نام کاتب......................محمد عنبر رضا ازہری
☆......تزئین کار......................محمد فاروق رضا
☆......ترتیب......................محمد صدیق رضا ازہری
☆......سن تالیف......................۲۰۱۷ء/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ
☆......تعداد......................۱۱۰۰/ (گیارہ سو کتابیں)
☆......صفحات......................224
☆......قیمت......................150/ روپے

مؤلف کے پتے

Mufti Muhammed Shamshad Husain Razvi

Principal Madrasa Shamsul Uloom, Ghanta ghar, Badayun

Mohalla Chaudhry Sarai, Shakeel Road, Badain

Mobile: 09410022756

Email: mshusain45gmail.com

فہرست مضامین

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

حضور شمس العلماء حضرت علامہ مولانا

مفتی شمس الدین احمد صاحب رضوی

جونپوری علیہ الرحمۃ والرضوان

کے نام

جن کے روحانی فیضان کی بارشوں سے میرا وجود ہر وقت
فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔
گر قبول افتد زہے عز و شرف

ناچیز
محمد شمشاد حسین رضوی
پرنسپل
مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں یوپی

نذرِ عقیدت

انجمن خدام نوری موضع سبحانپور کٹوریہ

اور

جامعہ کنزالایمان موضع حسن پور سلطان پور ضلع بانکا بہار

کے ذمے داروں کے نام

جن کی کوششوں سے

"مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات وخصوصیات"

زیور طباعت سے آراستہ ہوئی.....

محمد شمشاد حسین رضوی

۴؍ربیع الآخر شریف ۱۴۳۸ھ

۵؍جنوری ۲۰۱۷ء
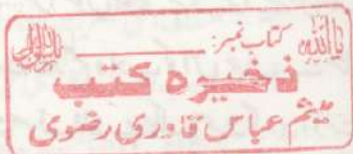
عرضِ ناشر

مسلک اعلیٰ حضرت...... نہایت ہی صاف وشفاف اور پاکیزہ اصطلاح ہے جس میں کسی بھی زاویہ سے کسی قسم کا جھول نہیں پایا جاتا ہے...... لفظ ومعنی اور نحو وصرف کے اعتبار سے یہ ایک ایسی ترکیب ہے جو جادو کا سا اثر رکھتی ہے اور قلب ودماغ میں عشق ووفا، الفت وعقیدت اور سوز گداز کی کیفیت نمایاں کرتی ہے...... اس ترکیب کے استعمال کرنے والوں میں جہاں خواص کا نام آتا ہے وہیں عوام اہل سنت نے بھی اس ترکیب کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور اس کی نشر واشاعت اور فروغ وارتقا میں پیش پیش رہے ہیں...... اس کا آغاز کیسے ہوا؟ اور کن حالات میں ہوا؟ یہ بتانا ہم جیسے کم علموں کا کام نہیں ہے بلکہ ان افراد ذی وقار کا کام ہے جن کے دم قدم سے علم وادب کا گلشن آباد ہے اور کائنات کے ظلمت کدوں میں حق و حقانیت اور صدق وصداقت کا اجالا پھیلا ہوا ہے...... مگر افسوس ہوتا ہے کہ کچھ ایسے بھی ننگ ملت اور ننگ فکر وشعور ہیں جو اس سرچشمہ نور ونکہت اور علم وادب کو اس جہاں سے مٹانا چاہتے ہیں...... ہمارے خیال میں ان کا یہ اقدام نہ صرف غلط ہے بلکہ باعث نکبت وذلت بھی ہے۔

کہا جاتا ہے انسان کو نہ صرف غم سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خوشی کا ماحول بھی آتا ہے مجھے ایسے نابکار ونا ہنجار کی تحریروں سے جہاں غم ہوا وہیں مفتی

صاحب کی تحریر اور کتابوں کے مطالعہ سے خوشی حاصل ہوئی...... میں ''مفتی صاحب قبلہ'' کو برسوں سے جانتا ہوں...... ان کی تحریرات، مقالات اور کتابوں کو پڑھتا رہتا ہوں...... ان کی تحریروں میں سنجیدگی پائی جاتی ہے اور لفظ لفظ میں شگفتگی کا جو عالم ہوا کرتا ہے اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے...... نقد ونظر ان کے اسلوب کا خاصہ ہے اور طرز استدلال میں وہ کمال پایا جاتا ہے کہ طبیعت جھوم جھوم جاتی ہے...... ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قلم وقرطاس کو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے فروغ وارتقا کے لیے وقف کردیا ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے جس خلوص و وفا اور جذبۂ عقیدت ومحبت سے سرشار ہوکر باتیں کرتے ہیں، ان کی ہر بات اور ان کی گفتگو کا ہر تیور دل کو اپیل کرتا ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جو عہدِ حاضر میں کمیاب ہے...... مفتی صاحب بہار کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے بدایوں کو اپنا وطنِ ثانی بنایا ہے۔ زمینوں کے خواص ضرور ہوتے ہیں لیکن زمینوں کے فرق کو ہم نے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی انہیں ہم نے ہمیشہ اپنے سگے جیسی اہمیت دی ہے ان کی ذات اہل بدایوں کے لیے باعثِ فخر ہے اور ہم اہلِ علاقہ بھی ان کی ذات پر ناز کرتے ہیں...... ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے حوالے سے ان کی مختلف کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو اہل علم اور ارباب فکر کے درمیاں کافی پسند کی گئی ہیں مندرجہ ذیل کتابوں نے جو شہرت وقبولیت حاصل کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے......

☆ ......مسلک اعلیٰ حضرت، منظر پسِ منظر

☆ ......مسلک اعلیٰ حضرت، تعارف، حقیقت اور اختلاف

☆ ......مذہب ومسلک کا حقیقی عرفان

اس کے علاوہ مفتی صاحب کے مقالات بھی ملک کے عظیم اور مؤقر رسائل میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے حوالے سے شائع ہوتے رہتے ہیں......

مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات وخصوصیات...... یہ ان کی مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے تیسری کتاب ہے جس کی اشاعت کا بیڑا ''سبحانپور کٹوریہ ضلع بانکا بہار'' کے

''اراکین وخدام نوری'' نے اپنے ناتواں کاندھوں پر اُٹھایا ہے۔

انجمن خدام نوری ......ملت کے نوجوانوں اور نئی نسل کے افراد پر مشتمل ہے۔ جن کے دلوں میں ''حضور مفتی اعظم ہند'' کی الفت وعقیدت کی شمع روشن ہے ......اس انجمن کے اراکین ہمت وحوصلہ اور پختہ عزم وارادہ کے مالک ہیں...... اور نہایت ہی محنت اور لگن سے کام کرتے ہیں۔ ان کے کام کرنے کا حوصلہ کس قدر بلند ہے؟ اس حوالہ سے محمد اسلم رضا نجم القادری لکھتے ہیں:

حامداو مصلیاو مسلما

امابعد ....آج کے اس پرفتن دور اور ہوش ربا ماحول میں جہاں لوگوں نے فحش وعریانیت کو ترقی کا نام دے دیا ہے...... علمی، ادبی اور مذہبی ماحول سے دوری بنائے رکھا ہے صرف یہی نہیں بلکہ اسلاف کرام اور بزرگوں کی تعلیمات وارشادات کو فراموش کر دیا ہے اسی فراموشی کا نتیجہ ہے کہ نئی نسل اور نوجوانوں کا طبقہ اسلامی معمولات ومراسم اور تہذیب وتمدن سے محروم ہوتا جارہا ہے اور روشن مستقبل کے تعلق سے احساس کمتری کا شکار ......سماج ومعاشرہ کے غیر اسلامی رسم ورواج نے ماحول میں وہ زہر گھول رکھا ہے کہ سانس لینا دوبھر ہو چکا ہے...... سماج میں سدھار لانے اور نوجوان طبقہ کے دلوں میں مذہب وملت ...... اور تعلیم وتربیت کے تعلق سے رغبت وشوق بیدار کرنے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت تھی ......اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ''سجانپور کٹوریہ'' کے نوجوانوں نے ''انجمن خدام نوری'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی ......اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ انجمن حضور مفتی اعظم ہند کے تخلص ''نوری'' سے منسوب ہے جو نہایت ہی خلوص کے ساتھ اپنی ذمے داریوں کو انجام دے رہی ہے اور آئندہ بھی یہ انجمن اپنی خدمات انجام دیتی رہے گی ......انجمن کے اشاعتی پروگرام کی پہلی کڑی یعنی ''مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات و خصوصیات'' آپ کے ہاتھوں میں ہے ......اس کتاب کو پڑھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں...... حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اس کتاب میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پر جس علمی

اوراستدلالی انداز میں گفتگو کی ہے یہ انہیں کا حصہ ہے ان کی ہر بات دلوں میں نقش ہو کر رہ جاتی ہے۔ جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں ضرورت ہے کہ وہ مفتی صاحب کے طرز استدلال پر غور کریں اسے سمجھنے کی کوشش کریں ...... اور مسلمانوں سے التماس ہے کہ اس انجمن سے جڑیں اور دینی ماحول کے قائم کرنے میں ہماری مدد کریں۔ (محمد اسلم رضا نجم القادری ۱۰ ارنومبر ۲۰۱۶ء)

مفتی صاحب کی تحریر کے لفظ لفظ سے نور کی کرن پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اس کے مطالعہ سے حوصلوں کو نئی توانائی ملتی ہے۔ جب ہم نے ''انجمن خدام نوری'' کے اراکین سے زیر نظر کتاب ''مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات وخصوصیات'' کی اشاعت کا ذکر کیا تو انہوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اشاعت کے میدان میں ہماری یہ اولین کوشش ہے کتاب اپنے موضوع پر انتہائی جامع ہے۔ کتاب کی یوں تو بہت ساری شہ سرخیاں ہیں ذیل میں چند کلیدی سرخیاں ملاحظہ کریں

الف...... مسلک اعلیٰ حضرت کی فنی واصطلاحی تعریف

ب...... ماانا علیہ واصحابی کا معنی ومفہوم

ج...... اہل سنت وجماعت کی تشریح

د...... علم عقیدہ وکلام کی تدوین وتشکیل

س...... تقلید معنی اور ضرورت

ص...... مسلک اعلیٰ حضرت اور سلاسل اربعہ وغیرہ

مذکورہ عناوین پر مفتی صاحب نے عالمانہ، فاضلانہ اور داعیانہ انداز میں گفتگو کی ہے ہر عنوان کی حیثیت اپنوں کے لیے چشمہ شیریں کی ہے اور مخالفین ومعاندین کے لیے تیر وسنان کی۔

یہ صرف ہمارا دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے ہمارے دعوے کی حقیقت کا احساس آپ کو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی ہوگا...... پوری کتاب آپ کے سامنے کھلی ہوئی ہے مطالعہ

کریں اور عمل کریں اور اگر کوئی بات طبع نازک پر گراں گزرے تو اطلاع دیں تاکہ دوسری اشاعت میں شرعی حدود میں اس کا تدارک ہو سکے ہم اس کتاب کی اشاعت پر مفتی صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح دین وسنت کی خدمت انجام دیتے رہیں اور ہمیں اپنے دینی اور شرعی کام میں حصہ دار بناتے رہیں۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ

(مولانا) محمد احمد رضا نوری

مہتمم وناظم اعلیٰ

جامعہ رضویہ کنزالایمان، محلہ حسن پور موضع سلطان پور

ضلع بانکا بہار

۱۲ رنومبر ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی

مسلکِ اعلیٰ حضرت امتیازِ اہلِ سنت ہے

برطانوی عہد میں برصغیر ہند و پاک کی مذہبی تاریخ انتہائی ہولناک اور خدشات سے بھری ہوئی ہے۔ جس میں دینی، ملی اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان اہل سنت و جماعت کو اُٹھانا پڑا۔ عامۃ المسلمین کا ایک ہی ''سواد اعظم'' ہے جس کی اصل حضور سید المرسلین علیہ التحیہ والثنا کی ذات گرامی ہے اور اصحاب رسول رضوان اللہ عنہم اس کے فرع ہیں، دورِ خلافت راشدہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کی غالب ترین اکثریت اس کی متبع و پیرو کار ہے اور مسلمانوں کے اجماعی عقائد و نظریات کے علمبردار بھی، اسی جماعت کو قرآن حکیم نے ''سبیل المومنین'' کا امتیازی لقب دیا ہے اور اس سے جدا ہونے والوں کو نارِ جہنم کی سخت وعید سنائی ہے۔ احادیث کریمہ میں اسی جماعت صادقہ کو کبھی ''سواد اعظم'' کبھی ''الجماعۃ'' کبھی ''اہل سنت و جماعت'' تو کبھی ''ما انا علیہ و اصحابی'' کے بابرکت ناموں سے یاد کیا گیا ہے، کیوں کہ اس جماعت کے تمام دینی عقائد و نظریات قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اور اس کے روشن افکار و خیالات اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز حیات سے مستنیر ہیں۔ یہی جماعت حقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی جماعت پر مشتمل ہے جن میں عشق الٰہی محبت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصاب پڑھا کر امت مسلمہ کو قرب الٰہی کی لذتوں سے شاد کام کیا جاتا ہے۔ دشمنان دین ہر دور میں

ایمان وعقیدے کی مضبوط عمارت کو منہدم اور امت مسلمہ کو منتشر کرنے کی ناپاک سازش کرتے رہے ہیں۔اوران کی کوششیں آج بھی جاری ہیں

جب انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے غیر منقسم ہندوستان پر جابرانہ تسلط قائم کرلیااور وہ اس سرزمین کی تقدیر کے خودساختہ مالک ومختار بن بیٹھے تو اس کے پس پشت عالم اسلام کے خلاف ان کے وہ ناپاک عزائم اور سفاک منصوبے تھے جو ہر دور میں اس قوم ناہنجار کے سینے میں پرورش پاتے رہے ہیں،اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ آج امت مسلمہ جن فتنوں،خطروں اور چیلنجوں سے دوچار ہے،وہ سب مغربی طاقتوں کے پیدا کردہ ہیں۔انگریزوں نے علم،سیاست،ثقافت،تہذیب،ادب اور فکر کے راستوں سے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ شروع کیا۔مذہب کے بنیادی سرچشموں قرآن وسنت کے تعلق سے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے،توحید ورسالت کی تقدیس پر تنقیص کے کیچڑ اچھالے،اتباع رسالت کو قدامت پرستی قرار دیا،امت واحدہ میں الحادودین بیزاری ،انتشار وخلفشار،تشددوفرقہ بندی اور باہمی تصادم کا ماحول برپا کیا،دینی احکام وقوانین کے تئیں نئی نسلوں کے ذہن وفکر کو مسموم کیااور مذہب اسلام کو مسلمانوں کی نکبت وپستی کا سبب بنا کر پیش کیا۔زرخرید مولویوں کے ذریعہ مذہبی منافرت کو ہوادی اور مسلمانوں کے شیرازے کو منتشر کر کے ان کو مختلف خانوں میں تقسیم کردیا۔یہ زندہ حقیقت مذہبی تاریخ کے ادنیٰ طالب علم کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں کہ عبدالوہاب نجدی کی رسوائے زمانہ تصنیف ''کتاب التوحید'' کا اردو ترجمہ ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے اسماعیل دہلوی نے کیا اور اسے انگریزوں کی سرپرستی میں منصوبہ بند سازش کی تحت دیار ہند کے گوشے گوشے میں فروغ دیا گیا۔اس کتاب نے ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی فتنوں کی تخم ریزی کی،کیوں کہ اس کے اکثر مندرجات اسلام کے مسلمات عقائد صالحہ اور مذہبی معمولات کے خلاف بہتان تراشیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔مذکورہ کتاب کے منظر عام پر آتے ہی مسلمانوں میں سخت اختلاف وکشیدگی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔علمائے وقت نے اس کے رد میں سینکڑوں

کتابیں لکھیں، مناظرے کیے اور اس کے تمام فتنہ خیز افکار و نظریات کی کھل کر تردید کی لیکن جب کوئی فتنہ ایک بار سر ابھارتا ہے تو ہزاروں مخالفت کے باوجود وہ ہمیشہ کے لیے دفن نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے بعض جراثیم باقی رہ جاتے ہیں جو دھیرے دھیرے جسم صالح کو معطل و ناکارہ بنانے میں مصروف رہتے ہیں، یہی حال نجدی فتنوں کا ہوا۔ چنانچہ عہد برطانوی میں انگریزوں نے اپنی سرپرستی میں اس فتنے کو پروان چڑھایا اور ہر قسم کی مالی وسیاسی مدد سے اس متعدی مرض کو پھیلنے کے مواقع فراہم کیے۔ ایسے پُرخطر ماحول میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے اپنے عہد مبارکہ میں اس کا مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مختلف مورچے پر اپنے لوح وقلم اور فکر و نظر کے تیز اسلحوں سے اس فتنہ کی جڑوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ انہوں نے مثبت طریقے سے دو عظیم تاریخی کارنامے انجام دیئے تاریخ میں جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک طرف انہوں نے دینی مسلمہ عقائد و معمولات کو قرآن وسنت کے دلائل و براہین سے مرصع کر کے پیش کیا تو دوسری طرف ترکی بہ ترکی جوابات قلم بند کر کے مخالفین کے سارے الزامات کو سبوتاژ کر دیا۔ ان کی ایک ہزار سے زائد تصانیف کا غالب حصہ انہیں دو موضوعات پر محتوی ہے۔ انہیں تجدیدی کارناموں کے باعث اہل سنت و جماعت کے سربرآوردہ علما و مشائخ نے ان کو مشترکہ طور پر "مجدد" کے موقر لقب سے یاد کیا۔ اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم سے انجام پانے والے ان کے مذہبی کارناموں کو "مسلک اعلیٰ حضرت" جو عصری تناظر میں سرتاپا اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام ہے۔

اس سے قطع نظر کہ یہ اصطلاح مخالفین کی ایجاد کردہ ہے یا موافقین نے امتیازی شناخت کے طور پر پسند کیا، اس موضوع پر دامن تاریخ میں طویل بحثیں موجود ہیں، جنہیں میزان فکر و نظر پر تول کر اس کے نفع و نقصان کا خوب خوب تجزیہ کیا گیا ہے لیکن اس میں دو رائے نہیں کہ حالات حاضرہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ہی اہل سنت و جماعت کا امتیازی نشان ہے، جس کو مخصوص حالات و کوائف میں جذبہ عزت و افتخار کے ساتھ بولا اور

سمجھا جاتا ہے۔ بعض متوازی فرقہ بھی مدعی ہے کہ ہم ہی اصل میں اہل سنت وجماعت ہیں ، ایسے ماحول میں مسلک اعلیٰ حضرت کی نصرت وحمایت مزید دوگنی ہوجاتی ہے۔ اگر اس کا قلادہ گردن سے اتار ڈالا گیا تو ہجوم میں اہل حق کے گم ہوجانے کا شدید خطرہ ہے جو مخالفین کی عین منشا کے مطابق ہے۔ ہماری صفوں میں جو معدودے چند افراد مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سے گھبراتے ہیں اور منفی فکروخیال کے مرض میں گرفتار ہیں وہ یا تو احساس کمتری وپست ہمتی کے آزار میں مبتلا ہیں یا بے خبری ولاشعوری طور پر مخالفین کی سازشوں کے شکار ہیں۔ ہمارے اس اجمالی دعوے کی تفصیلی دلائل سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو زیر نگاہ معرکۃ لا آرا تصنیف ''مسلک اعلیحضرت: تعریفات وخصوصیات'' کا ورق الٹئے ، جس کا ہر صفحہ فکرونظر کے روشن دلائل وبراہین سے مرصع اور ہر سطر علم وہنر، فہم ودانش، تحقیق وجستجو، تحلیل وتجزیہ اور حسن استدلال واستخراج کا مرقع ہے۔ اس کتاب مستطاب کو محقق عصر مناظر اسلام حضرت علامہ مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی نے رقم فرمائی ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ رضویاتی ادب کے بہترین اسکالر اور مسلک اعلیٰ حضرت کے مخلص ووفادار سپاہی ہیں جن کے عقیدہ وعمل میں بڑی یکسانیت وہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ موصوف محترم روز اول ہی سے مسلک اعلیٰ حضرت کے محافظ ونگراں اور اس کے خلاف اٹھنے والی تحریکات کے سامنے سینہ سپر رہے ہیں۔ آپ نے مرکز اہل سنت بریلی شریف کے سرچشمہ علم وفضل حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی بارگاہ عالی سے فیض حاصل کیا اور مختصر مدت میں آسمان تحقیق پر ابر باراں بن کر چھا گئے۔ خداوند لم یزل نے درس وتدریس، دعوت وارشاد کے ساتھ لوح وقلم کی حکمرانی بھی عطا فرمائی ہے۔ اب تک ان کی مختلف عصری موضوعات پر درجنوں تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، جن کو ہندوپاک کے علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل ہے۔ آپ علم وفضل، بے مثل قوت حافظہ، سریع الفہمی، زہدوتقوی، صبروتحمل، حق گوئی وبے باکی اور اخلاق حسنہ کی منھ بولتی تصویر ہیں۔ راقم الحروف عرصہ دراز سے آپ کو ذاتی طور پر جانتا ہے اور ببانگ دہل گواہی دیتا ہے کہ آپ کی

شخصیت میں دین کا درد، ملت کا غم، مسلک کا خلوص، بارگاہ رضویہ کی وفاداری اور فکر رضا کی ترویج وتقسیم کا پاکیزہ جذبہ پوری طرح جاگزیں ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مفتی صاحب ایک صاحب نظر عالم دین اور نکتہ شناس مفتی شرع ہیں۔ شخصی طور پر مختلف اوصاف وکمالات کے جامع بھی ہیں۔ آپ سے جب بھی شرف ملاقات حاصل ہوا، میں نے آپ کو قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، صرف ونحو، منطق وفلسفہ، حکمت وانشا، شعر وادب ودیگر علوم اسلامیہ میں متبحر اور طبعاً نیک مزاج، بردبار، انصاف پسند، رحم دل، حلیم الطبع، صابر وشاکر اور فیاض ومہمان نواز پایا، بالخصوص اہل سنت وجماعت کی موجودہ زبوں حالی وبے چارگی پر آبدیدہ دیکھا۔ آپ ایک مجلسی گفتگو میں فرماتے ہیں: ہم کتنے خوفناک دور سے گزر رہے ہیں کہ ہمارے دشمن ہمارے افراد کا اغوا کر رہے ہیں اور انہیں مختلف حربوں سے مسلک حقہ سے دور کر رہے ہیں، کبھی دعوت وتبلیغ کا جال بچھایا جاتا ہے، کبھی تعلقات کے دام تزویر بچھائے جاتے ہیں، کبھی رشتوں کی کمندیں ڈالی جاتی ہیں، کبھی سکوں کی لالچ دی جاتی ہے، کبھی قرآن وحدیث کا راگ الاپا جاتا ہے الغرض نوع بہ نوع حیلے بہانے استعمال کیے جاتے ہیں، نہ جانے کتنی آباد بستیاں اجڑ گئیں، کتنے علاقے ٹوٹ گئے اور ہماری غفلت وبے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہم خود اپنے غیر اہم داخلی مسائل میں باہم دست بگریباں ہیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ارباب علم وفضل اور اصحاب لوح وقلم اپنے فرض منصبی کو بھول چکے ہیں اور اس کوتاہی میں ایسی حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں جو ہمارے مذہب ومسلک کے لیے ضرر رساں ہیں۔ ہم اپنے گھریلو مسائل میں خود کو الجھا کر دشمن کے لیے کھلا میدان چھوڑ رکھا ہے اور وہ علاقے کا علاقہ فتح کر رہے ہیں۔ اس قسم کے درد میں ڈوبے ہوئے جذبوں کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو حضرت مفتی صاحب کی اس تازہ ترین تصنیف کا مطالعہ کیجیے اور درس عبرت کے لیے دل کا دروازہ کھولیے۔

زیر نگاہ تصنیف ''مسلک اعلیٰ حضرت: تعریفات وخصوصیات'' اپنے موضوع پر نہایت مدلل ومبرہن ہے جو الحاد وصلح کلیت سے آلود موجودہ ماحول میں حق آگاہی وحق شناسی کا نشان راہ ہے، مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن ہے۔ مصنف نے موضوع سے متعلقہ تمام احوال وکوائف پر عبوری نظر ڈالی ہے اور اپنے افکار وخیالات کو ٹھوس دلائل سے مزین کرکے روشن حقائق سے آگاہ کیا ہے جو ان کی علمی صلاحیتوں کا منھ بولتا شاہکار ہے۔ یہ کتاب سات اہم ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب گونا گوں عناوین کے زیور سے آراستہ ہے۔ مصنف نے بالکل معروضی انداز میں بتدریج اپنا سلسلہ کلام آگے بڑھایا ہے اور تجزیئے کے وسیع تناظر میں مسلک اعلیٰ حضرت کی عصری ومعنوی اہمیت وہمہ گیر افادیت پر گفتگو تمام کی ہے۔ ہر ورق بکھری ہوئی معلومات کا ایک خزانہ ہے، میں یہ دعوی کر سکتا ہوں کہ پیش کردہ تحقیقی مواد کے اعتبار سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بیش قیمت دستاویز ہے، اسے ہر قاری تک پہنچنا چاہیے تا کہ اس کا فیضان عام ہو سکے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ان کی دوسری تصانیف کی طرح یہ تازہ ترین تصنیف بھی مقبول عام کا درجہ حاصل کرے اور کج رو مسافرین کے لیے شمع راہ ہدایت ثابت ہو۔

عبدالرزاق پیکر رضوی

استاد الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ (بہار)

بابِ اوّل

تمہیدی کلمات

جولوگ تعلیم و تعلم ...... درس وتدریس اور فکر وشعور سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کیا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟ ...... یہ جانکاری کسی خاص فرد اور خاص جماعت تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر شخص اسے جانتا ہے اور سمجھتا ہے...... خواہ اس کا تعلق طبقہ خواص سے ہو یا طبقہ عوام سے ...... اسی طرح خواہ اس کا تعلق شہر وقصبات سے ہو یا کسی گاؤں اور دیہات سے ...... خواہ وہ انسان کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو......

کسی بھی شئی کا اس طرح مشہور ہونا ...... اس کے بدیہی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور میں یہاں تک کہتا ہوں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ''اجل بدیہات'' میں سے ہے...... اس لیے اس کی تعریف اس انداز میں نہیں کی جاسکتی۔ جس انداز میں عام طور پر کی جاتی ہے ...... کہ بدیہات کی آج تک کسی نے تعریف نہ کی ہے اور نہ کبھی کی جاسکتی ہے...... تعریف کا مقصد ''معرف'' کی حقیقت و ماہیت کو مکمل طور پر پیش کرنا ہوتا ہے یا کسی نہ کسی حیثیت سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے کبھی یہ وضاحت حقائق کو پیش کر کے کی جاتی ہے یا پھر اس کی کوئی خصوصیت بیان کر کے کی جاتی ہے ...... اب تک مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جس قدر مقالے لکھے گئے ہیں یا اس موضوع پر جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ...... ان مقالوں اور

کتابوں سے اس کی وضاحت ہو چکی ہے اب مزید الگ سے اس بارے میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے......ضرورت کے نہ ہوتے ہوئے پھر بھی اس کی تعریف ہی چاہیے......تو اس بارے میں عرض ہے......

مسلک اعلیٰ حضرت......

ایک ایسی مخصوص "ہیت کا نام ہے جو ظاہری طور پر لفظ "مسلک" اور "اعلیٰ حضرت" نیز "اضافت معنویہ" سے مرکب ہے......مگر اس مقام پر اس کی یہ مخصوص ہیت مراد نہیں ......اس کی وجہ یہ ہے......کہ جب عوام وخواص "مسلک اعلیٰ حضرت" کا اطلاق کرتے ہیں تو کسی کا بھی ذہن نہ "مسلک" کی طرف جاتا ہے اور نہ لفظ "اعلیٰ حضرت" کی طرف...... اور نہ اس بات کا خیال آتا ہے کہ ان دونوں یعنی "مسلک" اور "اعلیٰ حضرت" کی "ترکیب ناقص" میں کون سی اضافت مراد ہے؟ اضافت لفظیہ یا اضافت معنویہ......یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا نام "عبداللہ" رکھ دیا جائے......کہ اس سے صرف اس کی ذات مراد ہوتی ہے ......عبد یا لفظ اللہ کا مفہوم مراد نہیں ہوتا۔

مسلک اعلیٰ حضرت...... اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی، مذہبی، اعتقادی، فقہی، علمی، فکری، سماجی معاشرتی، اقتصادی، ریاضی، سائنسی، وہبی اور اکتسابی تحقیقات جلیہ اور تدقیقات نفیسہ کے مجموعہ کا نام ہے

"مسلک اعلیٰ حضرت" کے تعلق سے جو باتیں بیان کی گئی ہیں اس تناظر میں "مسلک اعلیٰ حضرت" کی تعریف دونوں اعتبار سے کی جاسکتی ہے......اضافت کے طور پر بھی اور لقب کے طور پر بھی......

تعریف باعتبار اضافت:

مسلک......اسم مکان ہے اس کا مصدر "سلوك" ہے اور اس کی گردان اس طرح آتی ہے......سلك يسلك سلوكا......اس کا معنیٰ لغت میں "الطريق، المكان المنفذ" آیا ہے:

سلك۔السين واللام والكاف اصل يدل على نفوذ شئی فی شئی يقال سلكت الطريق اسلكه وسلكت الشئی فی الشئی انفذته. (المعجم مقائس اللغة، ص ۳/۹۷)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع فی الارض۔ (س الزمر، آیت ۲۱) کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے۔

(کنز الایمان ص ۶۱۲)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

كذالك سلكنه فی قلوب المجرمين۔

(س الشعراء، الأیت ۲۰۰)

ہم نے یونہی جھٹلانا پیرا دیا ہے مجرموں کے دلوں میں۔

(کنز الایمان، ص ۵۰۶)

عرفِ عام...... میں مسلک ان اقوال و آرا اور مواقف و نظریات کو کہا جاتا ہے جنہیں نہایت ہی غور وخوض اور فکر و تدبر کے بعد اپنایا جاتا ہے اور ان پر عمل کی دعوت دی جاتی ہے......مسلک کی تشکیل کا مقصد سماج اور معاشرہ کی اصلاح ہوا کرتا ہے اسی طرح ایمان واعتقاد کی اصلاح کے لیے بھی ''مسلک'' کو اختیار کیا جاتا ہے......شریعت اسلامیہ نے بھی ''مسلک'' کے اس معنی کو پسند فرمایا ہے اس سلسلے میں بطور دلیل حدیث پاک ملاحظہ کریں۔

ما راه المسلمون حسناً فهو حسن وما راؤاه قبيحاً فهو قبيح کہ جس چیز کو مسلمان اچھا کہیں وہ اچھی ہے اور جس چیز کو برا کہیں وہ بری ہے۔

اور فقہائے کرام فرماتے ہیں:

الثابت بالعرف کالثابت بالنص یعنی جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے وہ نص سے ثابت ہو۔

توافق بین المعنیین...

مسلک کے لغوی، عرفی اور شرعی معنی میں کافی گہری مناسبت پائی جاتی ہے......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے''مادہ مسلک''یعنی سلک کا ترجمہ ''چشمے بنائے اور پیرا دیا'' سے کیا ہے......ظاہر ہے ان دونوں ترجموں سے ''نفوذ اور دخول'' کا معنی مترشح ہوتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلک بھی دلوں کو متاثر کرتا ہے اور ذہن وفکر پر اچھے اور خوشگوار نقوش ثبت کرتا ہے......آرا......نظریات اور اقوال بھی دلوں میں نفوذ کرتے ہیں اور ذہنوں میں اپنے لیے جگہ بناتے ہیں اور ابدی سعادتوں کے چشمے جاری کرتے ہیں......اس لیے انہیں مسلک سے تعبیر کیا گیا ہے

مسلکِ اعلیٰ حضرت......میں ''مسلک'' اپنے معنی اور محل استعمال کے اعتبار سے عمومیت کا متقاضی ہے......اس کا دوسرا لفظ ''اعلیٰ حضرت'' ہے

اعلیٰ حضرت......کی حیثیت مضاف الیہ کی ہے......اس لقب کے تعلق سے اتنا عرض ہے کہ یہ لقب اس قدر متعارف بین الناس ہے کہ اب وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت......میں جو اضافت پائی جاتی ہے۔وہ ''معنوی اضافت'' ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ لفظ ''مسلک'' نے لفظ ''اعلیٰ حضرت'' سے ''تخصیص وتعریف'' کے معنی کا اکتساب کیا ہے اسی لیے اس میں شناخت اور امتیازی شان پیدا ہو گئی ہے اور یہ ''فرقہ ناجیہ'' کی علامت بن گیا ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کبھی رجال کے ذریعہ حق کی شناخت ہوا کرتی ہے......مسلک اعلیٰ حضرت کا مفہوم بہت زیادہ وسیع ہے۔اس کے دامن میں جہاں اعتقادی مسائل آتے ہیں وہیں فقہی روایات بھی آتی ہیں......قرآن مقدس کی تفسیر بھی ہے اور احادیث کی توضیح وتشریح بھی ہے......اسی طرح اس میں سماجی

مسائل بھی آتے ہیں اور معاشرتی واقتصادی حالات بھی......اور سائنسی ایجادات بھی ......

تعریف باعتبار لقب:

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی بطور لقب تعریف بیان کرنے سے پہلے میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ لقب کیا ہوتا ہے؟ اور اہل علم کے نزدیک اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے......؟

قاضی القضاۃ بہاء الدین عبداللہ بن عقیل العقیلی المصری الہمدانی (۶۹۸ ...... ۷۶۹ھ) فرماتے ہیں:

ینقسم العلَم الیٰ ثلثة اقسام۔الیٰ اسم، کنیة، لقب ...المراد بالاسم ھھنا مالیس بکنیة ولا لقب کزید وعمرو وبالکنیة فی اوله اب او ام کابی عبدالله وام الخیر و باللقب ما اشعر بمدح کزین العابدین اوذم کانف الناقة۔ (شرح ابن عقیل علی الفیه ابن مالك، ص ۱۱۹)

علَم کی تین قسمیں ہیں = اسم۔کنیت اور لقب......اس مقام پر اسم سے مراد وہ ہے جو نہ کنیت ہو اور نہ لقب ہو جیسے زید اور عمرو......کنیت سے وہ مراد ہے جس کے اول میں ''اب'' یا ''ام'' ہو جیسے ابو عبداللہ یا ام الخیر......لقب سے مراد وہ علَم ہے جو مدح کی جانب اشارہ کرے جیسے زین العابدین یا پھر ذم کی جانب اشارہ کرے جیسے انف الناقةِ۔

سید شریف جرجانی تحریر کرتے ہیں:

۱۲۲۹ = اللقب مایسمی به الانسان بعد اسمه العلَم من لفظ یدل علی المدح اوالذم لمعنی فیه کسی انسان کا اس کے اصلی نام کے بعد ایسے لفظ سے نام رکھا جاتا ہے جو اپنے معنی کے اعتبار سے مدح یا ذم پر دلالت کرتا ہے۔

مصباح اللغات میں ہے:

اللقب = اصلی نام کے علاوہ کوئی دوسرا نام جو اپنے وضع اول کے اعتبار سے مدح یا ذم کی جانب مشعر ہو ج = القاب۔ (مصباح اللغات ص ۷۸۴)

عملی مطابقت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دینی، ملی، علمی، فکری اور سیاسی کارناموں سے کون ذی علم ہے جو واقف نہیں ہے...... ان کی خدمات جلیلہ اس قدر پھیلی ہوئی اور جامعیت لیے ہوتی ہیں کہ دور حاضر کا کوئی بھی ذی علم فرد نہ چاہتے ہوئے بھی ان سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا...... ان کی خدمات کے ہر پہلو سے دین اسلام کی ترجمانی ہوتی ہے...... انہوں نے وہی کیا جس کی اجازت کتاب وسنت نے عطا کی...... ہر موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنتوں پر نہ صرف عمل کیا بلکہ اس پر عمل کرنے کی لوگوں کو ترغیب بھی دی ہے۔ بعض سنتیں جو مٹ چکی تھیں انہیں حیات تازہ بھی عطا کیا ہے...... اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ ان کے کارنامے "مذہب اہلسنت وجماعت" کے آئینہ دار ہیں...... اور فقہ میں ان کا مسلک "امام اعظم" کے مذہب کے عین مطابق ہے انہوں نے مذہب امام اعظم کے چہرے سے گرد وغبار کو صاف کیا ہے ان کے فقہ وافتا کی جامعیت کو دیکھ کر اہل نظر کو کہنا پڑا کہ مولانا احمد رضا کے فقہ وافتا کو حضرت امام اعظم دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کو اپنے تلامذہ کی صف میں شامل کر لیتے...... ان کے یہاں علوم جدیدہ یعنی سائنس، ارتھمیٹک، ریاضی اور لوگارثم وغیرہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ ملتے ہیں...... مگر ان کے یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے ان علوم جدیدہ کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھال دیا ہے...... اس لیے ان علوم کو بھی شریعت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے...... جہاں تک تصوف کی بات ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ امام احمد رضا صرف صوفی ہی نہ تھے بلکہ صوفیوں کے تاجدار تھے اور ان کا دل تو عشق مصطفیٰ میں رچا بسا تھا...... اعلیحضرت امام احمد رضا حضرت صدیق اکبر کی صداقت/حضرت فاروق اعظم کی عدالت...... حضرت عثمان غنی کی سخاوت اور مولائے کائنات حضرت علی کی شجاعت کا پیکر جمیل تھے......

اہلِ علم کا دستور رہا ہے کہ جب ان کی کوئی تصنیف سامنے آتی ہے تو اسے اپنے نام

سے منسوب کیا کرتے ہیں اور اس نسبت کو ظاہر کرنے کے لیے ہر فن کار اپنے آپ کو ''مؤلف'' کی حیثیت سے پیش کرتا ہے یا پھر ''مصنف'' کے نام سے...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے وہی کیا جو زمانے کی روایات رہی ہیں۔

اہلِ علم و دانش نے امام احمد رضا کی تعلیمات وخدمات کے مجموعہ کا لقب ''مسلک اعلیٰ حضرت'' رکھا ہے...... جو مدح پر دلالت کرتا ہے......

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ایک لقب ہے تو اصولی طور پر اس کے ''مسمیات'' بھی ہوں گے جن پر لقب ''مسلک اعلیٰ حضرت'' دلالت کرتا ہے...... یہ مسمیات تو پر جوش سمندر کی مانند ہیں جس کی نہ پہنائیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کی گہرائیوں کا اب تک کسی کو علم ہو سکا ہے...... اسی طرح اس کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے...... اس تنوع میں اس حد تک وسعت پائی جاتی ہے کہ ابتک اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو پایا ہے...... اجمالی طور پر صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسمیات درج ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہیں:

الف...... مسلک اعلیٰ حضرت مجموعی طور پر ''ما انا علیہ واصحابی'' کا ترجمان ہے۔

ب...... مسلک اعلیٰ حضرت اپنے اعتقادی مسائل میں ''مذہب اہلسنت وجماعت'' کا آئینہ دار ہے

ج...... مسلکِ اعلیٰ حضرت اپنے فروع و جزئیات میں فقہ حنفی کا کامل نمائندہ ہے۔

د...... تصوف و روحانیت میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' سلاسلِ اربعہ'' کا جامع ہے۔

اس تمہیدی اور ''عملی مطابقت'' کے بعد ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے:

مسلك اعلیٰ حضرت ...هو مجموع من الاصول والفروع ...من الكليات والجزئيات اعتقادية كانت اوفقهيات اوروحانيات اللتى تهدى الناس الى الاقتفاء بسنةا لرسول وخلفائه الراشدين والى سنن اصحابه المهديين اجمعين وهو يكون مطابقاً لمذهب اهل السنة فى الاعتقاد ويكون مطابقاً لمذهب ابى حنيفة رضى الله تعالى عنه فى الفقه ويكون جامعاً لسلاسل اربعة كلها ...ووصفه المشترك الحب الله والبغض الله والعشق لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو حد فاصل بين الحق والباطل عموماً وبين السنى والديوبندى والوهابى خصوصاً فى الهند والباكستان والبنجله ديش وغير ذالك من الممالك الاخرى وهو قرة عيون لجميع المسلمين والمسلمات وسيف صارم لارباب البدع والاهواء وهو رحماء بين المسلمين والاشداء على المرتدين

مسلک اعلیٰ حضرت۔ اعتقادی، فقہی اور روحانی اصول وفروع اور کلیات وجزئیات کے مجموعہ کا نام ہے جو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلفاء عظام اور صحابہ کرام کی سنتوں کا پابند بناتا ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت اعتقادی مسائل میں "مذہب اہل سنت و جماعت" کا ترجمان ہے اور فقہی مسائل میں "مذہب امام اعظم" کا آئینہ دار ہے اور تصوف وروحانیت میں چاروں سلاسل کا جامع ہے اور اس کا وصف مشترک اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض کرنا ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت حق وباطل کے درمیان عمومی طور پر حد فاصل ہے ہند وپاک، بنگلہ دیش اور دوسرے ممالک میں سنی، وہابی، دیوبندی کے مابین خصوصی طور پر خط امتیاز ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت اہل حق کے آنکھوں کی ڈھنڈک ہے فرق باطلہ کے لیے ننگی تلوار ہے...... آپس میں نہایت نرم دل اور اغیار کے لیے نہایت ہی سخت ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی لقبی تعریف میں جو باتیں پیش کی گئیں ہیں نہایت جامع اور مانع ہیں اس کا ایک ایک جملہ بالکل نپا تلا ہے......ان جملوں میں کوئی جملہ ''جنس'' کی حیثیت رکھتا ہے اور کوئی جملہ ''فصل'' اور کوئی ''خاصہ'' کی حیثیت رکھتا ہے......اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ'' حد وفصل'' سے جب کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ تعریف لائق تسلیم ہوتی ہے......اور نہایت ہی جامع اور مانع ہوا کرتی ہے اب ذیل میں اس تعریف کا تجزیہ کیا جارہا ہے اس کے بعد ہر ایک کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جائے گا......

تعریف کا تجزیہ۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی تعریف کا پہلا جزو

"هو مجموع من الاصول والفروع ...من الكليات والجزئيات اعتقادية كانت اوفقهيات اوروحانيات اللتي تهدى الناس الى الاقتفاء بسنة الرسول وخلفائه الراشدين والى سنن اصحابه المهديين اجمعين"

ترجمہ......مسلک اعلیٰ حضرت۔اصول وفروع کا مجموعہ ہے خواہ وہ اصول وفروع اعتقادی کلیات وجزئیات سے متعلق ہوں یا فقہی یا روحانی کلیات وجزئیات سے...... مسلک اعلیٰ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنتوں اوران کے طریقوں کی اتباع وپیروی کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

تعریف کا یہ پہلا جز'' مسلک اعلیٰ حضرت'' کے لیے ''جنس'' کی حیثیت رکھتا ہے:

اعتراض......ہوسکتا ہے کوئی اس بات پر اعتراض کرے کہ پیش کردہ عبارت ''جنس'' کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے کیوں کہ ''جنس'' جو خالص ''کلی'' ہوا کرتا ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت صرف کلیات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں جزئیات بھی شامل ہیں۔

جواب......اس مقام پر جزئیات سے مراد اعتقادی، فقہی یا علم تصوف کے جزئیات

مراد ہیں جن کا موضوع لہ عام ہے اس عمومیت کے باعث ان میں بھی شان کلیت پائی جاتی ہے...... اسی لیے مفتیانِ عظام ان جزئیات سے حوادث ونوازل پر استدلال کیا کرتے ہیں ...... بایں وجہ یہ جزئیات جنس بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اعتراض...... اور اگر کوئی یہ کہے کہ جنس وہ ہوا کرتا ہے جو مختلف الحقائق افراد کثیرہ پر بولا جاتا ہے اور آپ نے جسے جنس قرار دیا ہے وہ صرف اور صرف "مسلک اعلیٰ حضرت" کے ماننے والوں پر بولا جاتا ہے جو صرف ایک ہی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے اور جنس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے بھی شامل ہوں

جواب...... دیکھئے اس عبارت کا ماحصل "ما انا علیہ واصحابی" پر عمل کی ترغیب ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت میں پیش کردہ مسائل اصولیہ ہوں یا فروعیہ...... کلیہ ہوں یا جزئیہ ...... اعتقادیہ ہوں یا فقہیہ ...... یا روحانیہ ہوں سب کے سب ذرائع ہیں "ما انا علیہ واصحابی" پر عمل دورِ حاضر میں جو بھی فرقے پائے جاتے ہیں سب کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم "ما انا علیہ واصحابی" پر عمل پیرا ہیں...... اس دعوی کی بنیاد پر یہ افراد بھی اس جنس میں شریک ہیں...... اس لیے جنس کا مفہوم یہاں صادق آتا ہے اور اس کا صحیح ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

الف...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کا اپنی پوری امت کو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینا ہے اور اپنی اطاعت پر مستحکم کرنا ہے اور افتراق کی لعنت سے ہمیشہ کے لیے بچانا ہے کہ افتراق سے فرقے وجود میں آتے ہیں اور پھر ہلاکت کے دہانے تک پہنچ جاتے ہیں......

اس بات کا بھی خیال رہے کہ یہ جنس، جنس قریب ہے وہ اس طرح کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والے اور دوسرے فرقے کے ماننے والے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کے سب "ما انا علیہ واصحابی" پر عمل کے دعوے دار ہیں! اس کے دوسرے اجناس بھی ہوسکتے ہیں مثلاً امت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اور صرف امت مگر یہ اجناس بعیدہ ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی تعریف کا دوسرا جز

وھوما یکون مطابقاً لمذھب اھل السنۃ فی الاعتقاد... اس کا مطلب واضح ہے کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" میں جو اعتقادی مسائل ہیں...... وہ مذہب اہل سنت و جماعت کے عین مطابق ہیں اس عبارت کو میں نے "فصل" کی حیثیت دی ہے اس فصل کے سبب وہ تمام فرقے ناجی ہونے سے خارج ہو گئے جن کا تعلق مذہب اہلِ سنت و جماعت سے نہیں ہے...... جیسے معتزلہ، خارجیہ، شیعہ اور دوسرے باطل فرقے وغیرہ...... کہا جاتا ہے "فصل" کی دو حیثیت ہوتی ہے، جب اس کی نسبت "نوع" کی جانب کی جاتی ہے تو اس کی حیثیت "مقوم" کی ہوتی ہے...... اس مقام پر باطل فرقوں کے نکل جانے کے بعد جو فرقہ بچتا ہے وہی "فرقہ ناجیہ" ہے...... جس کی حقیقت کا پہلا جزو ماانا علیہ واصحابی اور اس کا دوسرا جزو "اہلسنت وجماعت" ہے...... جب "فصل" کی نسبت "جنس" کی جانب کی جاتی ہے تو "فصل" "جنس" کو دو حصوں میں بانٹ دیتی ہے...... جس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

اوّل ...... وہ جو "ماانا علیہ واصحابی" پر عمل کا دعوی کرتا ہے اور "اہلسنت وجماعت" سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

دوم ...... وہ جو "ماانا علیہ واصحابی" پر عمل کا دعوی تو کرتا ہے مگر "اہلسنت وجماعت" سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔

ان مذکورہ دونوں صورتوں میں سے جو پہلی صورت کا مصداق ہوگا وہی نجات پائے گا مگر مسئلہ اب بھی واضح نہیں ہوا کہ "مذہب اہلسنت" کی منزل پر آنے کے باوجود "فرقہ ناجیہ" مبہم ہے...... وہ افراد جو اپنے آپ کو "سلفی اور اہل حدیث" کہتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو "اہلِ سنت وجماعت" سے تعبیر کرتے ہیں...... اس کے بہت سے شواہد پائے جاتے ہیں...... ذیل میں کچھ شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔

الف......ہم نے اپنے بزرگوں کو صرف ''اہلسنت وجماعت'' ہی کہتے سنا ہے، مگر کچھ افراد نے بڑے ہی خوب صورت انداز میں اس علمیت کو اندھیرے میں ڈال دیا ہے اور اس کی نئی نئی تعبیریں پیش کردی ہیں......ابن تیمیہ ''اہلسنت وجماعت'' کے القاب شمار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

ثانیا۔اھل السلف او السلفیون ...والسلف ھم الصحابه وتابعو التابعین ای القرون الثلاثه التی اثبت لھاالنبی صلی الله علیه وسلم الخیریة فی حدیث عمران بن حصین رضی الله عنهما : خیر القرون قرنی ،ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قال عمران فلا ادری اذ کر بعد قرنه قرنین او ثلاثة...
ثالثاً۔اھل الحدیث یقول شیخ الاسلام ابن تیمیه مذھب السلف اھل الحدیث والسنة والجماعة
رابعاً...اھل الاثر وھٰذاالاسم یطلق علیٰ اھل السنة والحدیث۔

(الموسوعة ماذا تعرف عن الفرق والمذاھب ۴۴۵۔۴۴۷)

ابن تیمیہ کہتے ہیں......اہلسنت وجماعت کو ''اہل السلف یا السلفیون'' کہا جاتا ہے ......اور سلف کا اطلاق صحابہ، تابعین، تبع تابعین پر ہوتا ہے یعنی خیر القرون پر ہوتا ہے جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے سب زمانوں میں بہتر میرا زمانہ، پھر وہ زمانہ جو میرے زمانہ سے ملا ہوا ہے، پھر وہ زمانہ جو اس زمانہ سے ملا ہوا ہے...... عمران کہتے ہیں، سرکار نے اپنے قرن کے بعد دو قرنوں کا ذکر کیا یا تین قرنوں کا......اور کبھی اہلسنت کا لقب اہلِ حدیث رہا ہے اور کبھی اہل اثر......ابن تیمیہ کے قول کو بیان کرنے سے میرا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ اہل حدیث اپنے آپ کو اہلسنت سے تعبیر کرتے ہیں

......اسی لیے فرقہ ناجیہ کا مفہوم ومصداق اب بھی مبہم ہے......اس لیے ضرورت ہے ایک اور فصل کی جو ہماری جماعت میں بیٹھے ہوئے غداروں کو باہر نکال کے پھینک دے اور وہ فصل یہ ہے......

ویکون مطابقاً لمذهب ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه فی الفقه

یعنی مسلک اعلیٰ حضرت فقہ میں امام اعظم کے مطابق ہے......اس فصل کے آتے ہی وہ سارے افراد نکل جاتے ہیں جو ہماری جماعت حقہ میں چھپے ہوئے بیٹھے تھے......کیوں کہ سلفی حضرات اپنے آپ کو تقلید سے ماورا تصور کرتے ہیں......اور امام اعظم کی قید سے شافعی، حنبلی اور مالکی بھی خارج ہو گئے......کہ ہم مقلد امام اعظم کے ہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے امام کے مقلد ہیں ان میں کوئی امام شافعی کا مقلد ہے......کوئی امام مالک کا مقلد ہے اور کوئی امام احمد بن حنبل کا مقلد ہے مگر سب اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھتے ہیں...... ہمارا ان کا مسائل میں اختلاف ہے جو باعث رحمت ہے......عقائد میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اگر کہیں اختلاف ہے بھی تو یہ اختلاف اختلاف کے دائرہ میں ہے افتراق کی حد میں داخل نہیں۔

افادۂ خاص......فرقہ واحدہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا گیا کہ وہ جنت میں جائے گا ......اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ **ما انا علیہ واصحابی** پر کاربند ہوگا......میں نے اس پر کاربند ہونے کو "حقیقت" سے تعبیر کیا ہے......ہوسکتا ہے کوئی کہے یہ حقیقت کیسے ہوسکتا ہے......؟ اسے علامت کہیے خوبی اور کمال کہیے......اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر حقیقت پر ضرور کلام ہے......میں کہوں گا حضور والا یہ حقیقت ہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شئی کی حقیقت وہ ہوا کرتی ہے جو شئے کے تصور اور اس کے وجود سے جدا نہیں ہوتی ہے خوبی اور کمال دونوں ایسے ہیں جو شئے سے جدا ہوسکتے ہیں تصور میں بھی اور وجود میں بھی......مثال کے طور پر انسان کا تصور کیجئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ انسان کے تصور کے ساتھ ساتھ اس کی کسی خوبی اور کمال کا بھی تصور ہو......ہاں اس تصور کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت یعنی

حیوان ناطق کا تصور ضرور ہوتا ہے شئ کے ساتھ جس کا تصور ضروری ہوتا ہے اسی کو حقیقت کا نام دیا گیا ہے یہاں بھی فرقہ ناجیہ کا تصور کیجئے تو فوری طور پر ذہن میں یہ تصور ابھرے گا ...... کہ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث پاک "ما انا علیه واصحابی" کے مطابق رسول خدا اور ان کے صحابہ کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں گے ...... اور ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور آئندہ بھی نہ ہوگا کہ فرقہ کا تصور اس تصور سے الگ ہوا ہو ...... اسی عدم انفکاک کی بنیاد پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنتوں پر عمل کو جنس اور حقیقت کے روپ میں دیکھا گیا ہے ...... مگر حقیقت میں امتیاز کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اسی لیے فصول کی ضرورت پڑتی ہے ......

مذہب اہلسنت کو فصل کے روپ میں دیکھا گیا ...... تقلید کو بھی فصل ہی قرار دیا گیا ...... اور دورِ حاضر میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو بھی ''فصل'' کا درجہ دیا گیا ...... یہ تینوں فصول ممیزات کا کام کرتے ہیں ...... مثال کے طور پر ...... جیسے ہی کوئی کہتا ہے ہم ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے ماننے والے ہیں۔ ویسے ہی ذہن میں یہ بات آتی ہے۔ یہ دیوبندی نہیں ہے۔ نیچری چکڑالوی نہیں ہے۔ قادیانی نہیں ہے۔ وہابی رافضی نہیں ہے۔ شیعہ اور خارجی نہیں ہے۔ غرض کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' فرقہ ناجیہ کو تمام اصولی اور ذیلی باطل فرقوں سے ممتاز کر دیتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' فرقہ ناجیہ کے تمام فصول کا جامع ہے اس لیے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' فرقہ ناجیہ کے لئے ''فصل قریب'' کا درجہ رکھتا ہے ......

یہ اس کی اطلاقی حیثیت ہے اور غیر اطلاقی حیثیت یعنی فقہ و افتا کی جانب نظر کرتے ہیں تو ہم صرف حنفی دکھائی دیتے ہیں ...... شافعی، مالکی اور حنبلی نہیں حالانکہ اطلاقی حیثیت میں ہم ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں ...... اور اگر ہم اپنے آپ کو ''اہلسنت وجماعت'' سے موسوم کرتے ہیں تو نہ ہم ممتاز ہوں گے اور نہ فرقہ ناجیہ ممتاز ہوگا کہ دیوبندی بھی اپنے آپ کو ''اہلسنت وجماعت'' سے مانتے ہیں اہل حدیث اور سلفی بھی اپنا رشتہ اہلسنت وجماعت سے مستحکم بتاتے ہیں بلکہ ان کا ماننا ہے کہ صحیح معنی میں ہم ہی ''اہلسنت وجماعت'' سے ہیں

...... ہاں اگر یہی بات کسی اور دور میں کہی جاتی تو شاید ان کی بات تسلیم کر لی جاتی ...... کہ یہ اُس دور میں ''فصل قریب'' کی حیثیت رکھتا تھا...... مگر اس دور میں اس کی حیثیت ''فصل بعید'' کی ہے...... اسی طرح مقلد ہونا بھی ایک فصل ہے مگر اس کی حیثیت بھی فصل بعید کی ہے...... لھٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اس دور میں فرقہ ناجیہ وہی ہے جو مسلک اعلیٰ کو مانتا ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں اپنی حیات کی سمت متعین کرتا ہے۔۔

تمہیدی کلمات کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی تعریف کا ایک ایک جملہ نپا تلا ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جو حشو و زائد ہو ...... مسلک اعلیحضرت کی تعریف اگر چہ عوامی سطح سے کچھ اوپر ہے مگر ایسا بھی اوپر نہیں کہ عوامی ذہنوں کی رسائی سے بالاتر ہو...... بہر حال اگر کوشش کی جائے تو ہر بات آسانی سے ذہن میں اتر سکتی ہے۔۔۔

اس تعریف کے مطالعہ سے ظاہر ہو گیا کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کیا ہے؟ اور اس میں کیا کیا شامل ہے؟ اور کیا کیا شامل نہیں ہے؟ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ یہ کوئی نیا مسلک نہیں ہے اور نہ ہی اس کے افکار و خیالات نئے ہیں...... بلکہ یہ انہیں افکار و خیالات ...... اعتقادی مسائل و نظریات کا حامل ہے جو دور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ سے منتقل ہوتے ہوئے ہم تک آئے ہیں...... یہ اور بات ہے کہ جب جب فتنوں نے جنم لیا اور ہوشربا طوفانوں نے انہیں مٹانے کی کوشش کی، تو اسلام کے سرفروشوں اور مجاہدین دین و ملت نے طوفانوں کا سر کچل دیا اور فرقہ ناجیہ کے عقائد و افکار کی مکمل صیانت فرمائی اور اپنی آنے والی نسلوں تک بہ حفاظت پہونچادی...... اس وجہ سے فرقہ ناجیہ ہر دور میں مختلف القاب سے ملقب رہا...... القاب کے بدل جانے سے ملقب یا مسمیٰ بدلتا نہیں ہے وہ اپنی ہیت پر باقی رہتا ہے اور اسی نہج پر اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے...... جو لوگ القاب کے بدل جانے سے مسمیات کے بدل جانے کا نظریہ رکھتے ہیں وہ فکر و شعور کی ناپختگی کے شکار ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک انہوں نے میدانی سفر کا آغاز ہی نہیں کیا ہے بلکہ مٹی کے

گھروندے میں گھرے ہوئے ہیں......شاہین کی پرواز کیا ہوتی ہے آسمان کی وسعتوں کا کیا عالم ہوتا ہے؟اور کھلی فضا میں سفر کرنے میں کیا لطف ملتا ہے؟ان بیچاروں اور عقل کے اندھوں کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے......اسی لیے آئیں بائیں شائیں سے کام لے رہے ہیں اور اناپ شناپ بک رہے ہیں......

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں اچھوں کو بروں نے گھیرا ہے اور ان پر حملے کیے ہیں......یہ تصادم کوئی آج کا نہیں ہے بلکہ برسوں سے اس کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا اس دور کا تصادم جس سے ہم اور آپ دوچار ہیں کوئی آخری تصادم نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی تصادم رہیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اس کے باوجود اس بات کا یقین ہے کہ تصادم کتنا ہی بڑا اور سخت کیوں نہ ہو مگر جیت اہل حق کی ہوتی رہی ہے اور اُجالوں کی بارات ہمیشہ اہل حق کے آنگن میں اترتی رہی ہے جو سچائی پر گامزن رہے ہیں......کیا مجال؟ کہ حق کے سامنے باطل ٹھہر سکے باطل میں اتنی جرأت کہاں کہ حق سے آنکھیں ملا سکے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں اہل حق کو ستایا گیا ارباب صدق وصفا کے قدموں میں بیڑیاں ڈالنے کی کوشش کی گئیں......اور جب بھی موقع ملا انہیں دار ورسن کی سزائیں دی گئیں......اس کے باوجود اہل حق کی زبان سے یہی صدا بلند ہوتی رہی کہ

صلیب و دار سہی دشت و کہسار سہی
جہاں بھی تم نے پکارا ہے جاں نثار چلے
سنی جو بانگ جرس تو بقتل گاہِ جفا
کفن بدوش اسیرانِ زلف یار چلے

فتنے ہر دور میں اُٹھے ہیں اور اٹھتے رہیں گے مگر دور حاضر کا فتنہ اس قدر جانکاہ اور صبر آزما ہے کہ شاید ہی اس طرح کا فتنہ کسی اور دور میں اُٹھا ہو......اس دور کا فتنہ کیا ہے؟اس بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر پڑھا لکھا اس بات کو جانتا ہے اور سمجھتا ہے......

مسلک اعلیٰ حضرت سے انکار اور صلح کلیت کا فروغ ہے اور محسنین اہلسنت و جماعت کی علمی کوششوں اور ان کی دفاعی صلاحیتوں سے چشم پوشی ہے ...... یہ رویہ کس قدر خطرناک ہے۔ اس کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی ...... اس کے علاوہ ذیل کے تفصیلی مطالعہ میں مندرجہ ذیل مسائل پر بھی بحث کی جائے گی ......

الف......ما انا علیہ واصحابی پر سیر حاصل گفتگو

ب......افتراق واختلاف اور دونوں کے مابین فرق وامتیاز

ج......اہلِ سنت وجماعت کی اصطلاح اور اس کا پس منظر

د......اہلِ سنت وجماعت کی تشریح

س......جماعت منصورہ کا مصداق

ص......علم عقیدہ کی تاریخ وتشکیل اور علم کلام کا ارتقائی سفر

ط......ائمہ علم عقیدہ وکلام کی حیات اوران کے کارنامے

ع......تقلید اہمیت وضرورت

ف......مذہب ومسلک کی تشریح اور دونوں کے درمیان فرق وامتیاز

ل......مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کے مترادفات

م......مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کی جامعیت

ن......صلح کلیت اور اس کا معنیٰ ومفہوم

ی......حضور تاج الشریعہ وقت کی اہم ضرورت

ان مذکورہ عناوین کے علاوہ کچھ اور ضمنی بحثیں بھی آئیں گی جیسے

مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کا وصف مشترک

مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کا حد فاصل ہونا

موضوع کی اہمیت اور اس کی ضرورت

اس بات سے اہلِ علم واقف ہیں کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" برسوں سے ہمارا پسندیدہ

موضوع رہا ہے...... ہمارا قلم جب بھی اُٹھتا ہے تو اسی موضوع پر...... مقالہ تیار ہوتا ہے تو اسی موضوع پر...... کتابیں شائع ہوتی ہیں تو اسی موضوع پر...... ہمارے ایک ہمدم، مونس و غم خوار اور شبھ چنتک نے فون کیا اور کافی دیر تک گفتگو کی...... انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ آپ ایک اچھے تنقید نگار ہیں ...... آپ میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں...... تنقید کی کچھ زیادہ عمر نہیں ہوتی ہے اس کی حیثیت جوار بھاٹے کی ہے جس سرعت و تیزی کے ساتھ وہ اٹھتا ہے اسی تیزی کے ساتھ وہ ختم بھی ہو جاتا ہے...... اس لیے میرا مشورہ ہے اس رویہ کو چھوڑ دیں کہ آپ کا رویہ "منفی رویہ" ہے ...... اور مثبت رویوں کو اپنائیے کہ مثبت رویہ نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ زندوں کو دائمی حیات عطا کرتا ہے ...... اور جانے کے بعد بھی مثبت رویہ اپنانے والوں کو زندہ و تابندہ رکھتا ہے...... میں نے ان کی باتوں کو نہایت ہی سنجیدگی سے لیا اور تعمق فکر سے اس پر غور کیا...... مشورہ کسی کا ہو اور کیسا بھی ہو اس پر ضرور غور کرنا چاہیے...... ہو سکتا ہے اس میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے جو تعمیر کا پہلو ہو......

میں نے غور کیا اور بہت زیادہ غور کیا اور پھر یہ سوچنے لگا...... کیا تنقید کوئی بری شئے ہے؟ کیا اس میں صرف تخریب پائی جاتی ہے؟ کیا اس میں تعمیر کا کوئی پہلو نہیں ہے؟ اسی سوچ وچار میں لگا رہا کہ میرے دل نے کہا۔ نہیں! تنقید بری نہیں ہے اچھی بھی ہے...... اس میں تخریب ہی نہیں تعمیر بھی ہے...... منفی ہی نہیں مثبت بھی ہے...... اس کا سبب یہ ہے کہ تنقید کا دائرہ بہت وسیع ہوا کرتا ہے اس کے دائرہ میں اس فن کے تمام دلدادگان ہوا کرتے ہیں ...... تنقید اس لیے بھی تعمیر کا پہلو رکھتی ہے کیونکہ وہ اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ قدم رکھو مگر سوچ کر...... قدم اُٹھاؤ مگر احتیاط سے...... آگے چلو اور ضرور چلو مگر دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھ کر چلو...... اگر تنقید میں تعمیر کا پہلو نہ ہوتا تو نہ جہاد کا حکم دیا جاتا اور نہ ہی قصاص کی بات کی جاتی...... اگر تنقید صرف تخریب ہی کا ترجمان ہوتی تو کسی بھی صورت میں تنقید کو فن کی حیثیت حاصل نہ ہوتی...... اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ تنقید سے فن میں نکھار آتا ہے

غزل میں بانکپن اور شوخی آتی ہے...... اسی تنقید کے سبب فن پارہ شاہکار بنتا ہے...... تنقید نگاروں کی ایک جماعت ہے اور ایسی جماعت ہے جسے آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے...... تنقید کسی کو جہاں لاجواب کرتی ہے وہیں انہیں سنبھل کر پاؤں رکھنے کی ہدایت کرتی ہے...... تنقید سے لفظوں کا استعمال کرنا آتا ہے...... اسلوب بیان میں خوبصورتی آتی ہے ...... بات میں بات اور بال میں کھال نکالنے کا ہنر بھی تنقید ہی عطا کرتی ہے...... تنقید نہ ہوتو جمال کا احساس کس طرح نمایاں ہوگا...... کمال کا شعور کیسے بیدار ہوگا؟

بس اسی تنقیدی شعور نے ہمیں اس میدان میں اترنے کی ترغیب دی ......اور اس موضوع کو اختیار کرنے کا شوق بیدار کیا ...... میرے لیے یہی باعث تسکین قلب ونگاہ ہے......

اس موضوع کو پسند کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب میری کتابیں ''مسلکِ اعلیٰ حضرت منظر پس منظر اور مسلک اعلیٰ حضرت تعارف حقیقت اور اختلاف'' شائع ہوکر منظر عام پر آئیں تو ہمارے کچھ احباب مثلاً سید اولا د رسول صاحب قدسی نیو یارک، امریکہ اور مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا نے مجھ سے ارشاد فرمایا ان دونوں کتابوں میں آپ نے بہت سی باتیں لکھی ہیں جنھیں پڑھ کر جہاں بے پناہ خوشی ہوئی وہیں اس بات کا بھی احساس ہوا کہ ان دونوں کتابوں میں مسلک اعلیٰ حضرت کی آپ نے کوئی فنی اور علمی تعریف نہیں کی ہے...... جب کہ ایسا ہونا لازمی ہے...... بس ان کی بات میرے دل کو لگ گئی اور میں نے مسلک اعلیٰ حضرت کی تعریف وتشریح کی ذمہ داری قبول کی اور اس طرف اپنی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی......

اس کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے خود ہماری جماعت میں زبردست اختلاف سامنے آگیا کہ وہ مذہب اہل سنت وجماعت کے مترادف ہے یا مسلک امام اعظم کے...... بس اسی مترادف کو ثابت کرنے کے لیے میں نے اس موضوع کو پسند کیا......

اس سے اس موضوع کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور اس بات کی ضرورت بھی ہے

کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے ترادف کو لے کر جو اختلاف سامنے آیا ہے اس کا ازالہ بھی ضروری ہے ورنہ کہیں یہ مسئلہ طول نہ پکڑ لے اور معاملہ کہیں دور تک نہ پہونچ جائے

یہی چند باتیں تھیں جنہیں میں نے خلوص اور بے لوث جذبوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس راہ کا مسافر بناہ......اور موج حوادث کا حریف ہوا......دعا فرمائیں تا کہ میرے لیے یہ راہ آسان ہو جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بابِ دوم

ما انا علیہ و اصحابی...... معنیٰ و مفہوم

گزشتہ اوراق سے ثابت ہو گیا کہ "ما انا علیہ و اصحابی" مسلک اعلیٰ حضرت" کے لیے جنس کی حیثیت رکھتا ہے...... جو اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کے پیروکار کا جو بھی راستہ ہے اور جو بھی ان کا عقیدہ و عمل ہے وہ "ما انا علیہ و اصحابی" کے بالکل عین مطابق ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ "جنس" سے کسی بھی صورت میں راہِ فرار اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے...... جس طرح زید و بکر اور خالد اگرچہ افراد انسانی سے تعلق رکھتے ہیں اس کے باوجود انہیں "جنس حیوان" سے جوڑا جاتا ہے کہ جب تک وہ افراد "جنس" سے منسلک نہ ہوں گے اس وقت تک کوئی بھی فرد "فصول" کی سطح پر ممتاز نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی کے ممتاز ہونے کے لیے "جنس" کے تحت اس کا مندرج ہونا ضروری ہے۔

ما انا علیہ و اصحابی حدیث پاک کا ایک ٹکڑا ہے...... ذیل میں پوری حدیث ذکر کی جا رہی ہے......

وعن عبد الله بن عمرو وقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليأتين على امتى كما اتى على بنى اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى ان كان منهم من

اتیٰ امه علانیةً لکان فی امتی من یصنع ذٰلك. وان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علیٰ ثلٰث وسبعین ملةً. کلهم فی النار الا ملة واحدة. قالوا من هی یارسول الله! قال وما انا علیه و اصحابی رواه الترمذی وفی روایة احمد وابی داؤد عن معاویة ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة وهی الجماعة وانه سیخرج فی امتی اقوام تتجاریٰ بهم تلك الاهواء کما تتجاریٰ الکلب صاحبه لایبقیٰ منه عرق ولا مفصل الا دخله..

(مشکوٰة المصابیح، ص ۳۰)

ترجمہ...... حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے...... انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت پر وہ ساری چیزیں برابر برابر وارد ہوں گی جو بنی اسرائیل پر وارد ہو چکی ہیں...... یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ کوئی بڑا گناہ کیا ہے تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا ضرور ہوگا جو اس گناہ عظیم کو انجام دے گا...... اور بیشک بنی اسرائیل بہتر ملتوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر ملتوں میں بٹ جائے گی...... ان میں سے سب کے سب جہنم میں داخل ہوں گے مگر ایک جنت میں جائے گا...... صحابہ نے عرض کیا وہ ایک کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! ارشاد فرمایا وہ ایک وہ ہوگا جو اسی پر قائم رہے گا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں...... اسی حدیث کو امام ترمذی نے روایت کی ہے...... امام احمد اور امام ابو داؤد کی روایت میں یہ حدیث حضرت معاویہ سے مروی ہے...... بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا...... اور فرمایا: میری امت میں ایسے گروپ پیدا ہوں گے جن کے جسم واعضا میں بدعتیں اس طرح رچ بس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹنے سے ''کلب'' نامی مہلک بیماری سرایت

کر جاتی ہے کہ انسان یعنی جسے کتے نے کاٹ لیا ہے اس کی ہر ایک رگ اور ہر ایک جوڑ میں داخل ہو جاتا ہے......

دیکھئے...... اس حدیث پاک میں "ما انا علیہ واصحابی" کو "علامت" کے طور پر استعمال کیا گیا ہے...... اس کا مطلب یہ ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" فرقہ ناجیہ کی علامت اور پہچان ہے...... ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے اسے علامت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں میرا کہنا ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" کو افتراق واختلاف کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے...... اور جہاں افتراق واختلاف کی بات آجاتی ہے وہاں اس کے نتیجہ میں بہت سے فرقے پیدا ہو جاتے ہیں اور بہت ساری ملتیں وجود میں آجاتی ہیں ...... تو اس کثرت وہجوم سے "فرقہ ناجیہ" کو ممتاز کرنے کے لیے علامت کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے اور صحابہ کا فرقہ ناجیہ کے بارے میں سوال اس بات کو لازم کر دیتا ہے کہ اب اس کی علامت کا ہونا ضروری ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا اس لازم کو بھی شدید لازم بنا دیتا ہے......

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث پاک سے جو اختلاف وافتراق متفاہم ہوتے ہیں وہ کون سا اختلاف ہے؟ کیا اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو ایک بھائی اور اس کے دوسرے بھائیوں کے درمیان واقع ہو جاتا ہے...... یا اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو طبعی طور پر انسانوں کے مابین پایا جاتا ہے...... اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر نہ طبعی اختلاف مراد ہے اور نہ ہی وہ اختلاف مراد ہے جو دو بھائیوں کے درمیان پایا جاتا ہے ...... بلکہ اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو مذموم ہے اور جو فرقوں کو جنم دیا کرتا ہے...... یہی افتراق "ما انا علیہ واصحابی" کا پس منظر ہے۔

ما انا علیہ واصحابی اور اس کا پس منظر

حدیث پاک جو مشکوۃ شریف اور مسند احمد اور ابو داؤد کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہے اس میں "افتراق" کا اجمالی ذکر ہے...... افتراق کا مادہ "فرق" ہے جو جمع کی ضد ہے، اسی

سے ''افتراق'' آیا ہے اور یہ اجتماع کی ضد ہے جیسا کہ صاحب ''لسان العرب'' فرماتے ہیں:

"فرق: الفرق خلاف الجمع۔ فرقه یفرقه فرقاً وفرّقه وقیل فرق للصلاح وفرّق للافساد تفریقاً۔ وانفرق الشئی وتفرق وافترق۔ قال الله تعالیٰ {واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا} (سوره آل عمران آیت ۱۰۳) ای بعد الاجتماع۔

ترجمہ...... فرق جمع کے خلاف ہوا کرتا ہے یہ باب "نصر ینصر نصرا" سے "فرق یفرق فرقا" آتا ہے اور "فرّق باب تفعیل" سے آتا ہے اس کا معنی الگ الگ ہونا آتا ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "فرق" اصلاح کے لیے آتا ہے اور "فرّق" فساد کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرّقوا" اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لوسب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا'' اس آیت میں "ولا تفرقوا" کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں مل جانے کے بعد پھٹ نہ جانا ...انفرق، تفرق افترق تینوں کا معنی ایک ہے یعنی آپس میں مل جانے کے بعد پھٹ نہ جانا الخ......

دوسری آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {وان یتفرّقا یُغن الله کلاً من سعته} (اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے تم میں ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا) اس آیت میں بھی "یتفرق" کے معنی ''جدا ہونا'' لیا گیا ہے، اسی طرح حدیث پاک میں بھی "تفرق" کا معنی جدا ہونا ہی لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: البیعان بالخیار ما لم یتفرقا کہ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں...... قرآن پاک اور احادیث میں جہاں جہاں مصدر ''فرق'' کے مشتقات مستعمل ہیں چاہے وہ انفراق کی صورت میں ہو یا تفرق کی صورت میں ہو یا پھر افتراق کے صیغے

آئے ہوں ان سب کا معنی جدا ہونا ہی لیا گیا ہے ......اس اعتبار سے دیکھیے تو افتراق مندرجہ ذیل معانی کے اردگرد گھومتے ہیں

تفرق، انفراق ،انفصال، انحراف ،انقسام، مقاطعت، ضلالت، شذوذ، خروج یعنی سیدھی راہ سے نکل جانا۔ یا اصل سے نکل جانا جماعت سے نکل جانا یا اکثریت سے نکل جانا وغیرہ......

یہ تمام کے تمام ''افتراق'' کے لغوی معانی ہیں ...... جہاں تک اس کے اصطلاحی معانی کی بات ہے اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب کوئی لفظ اصطلاح کے دائرہ میں آجاتا ہے تو وہ لفظ اپنے لغوی معانی سے مکمل منحرف نہیں ہوتا ہے البتہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے معانی میں کچھ خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر اسی لغوی معنی مع خصوصیت کو اصطلاحی معنی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے ......اس معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے افتراق کے اصطلاحی معنی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

افتراق کے اصطلاحی معانی

جن افراد نے شریعت اسلامیہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں ''افتراق'' کے مختلف معانی لیے گئے ہیں۔

الف...... دین میں اختلاف وتفرق:

دین میں اختلاف وتفرق کرنا سخت منع ہے اور یہ مذموم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے {واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا} ترجمہ...... اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا'' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: {تفرقت اليهود على احدى وسبعين او ثنتين وسبعين فرقة} اس سے مراد دین اور اصول دین میں افتراق مراد ہے اسی طرح وہ اختلاف مراد ہے جو دین و اُصولِ دین میں افتراق تک مفضی ہو...... اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور اصول دین میں اختلاف سے منع فرمایا ہے اور یہ منع بھی صیغہ نہی سے کیا گیا ہے جو

در بارۂ وجوب شدید مؤکد ہے......

ب...... جماعت مسلمین سے نکل جانا:

زمانہ رسالت میں تمام مسلمان متحد اور ہم جماعت تھے۔ صحابہ کے دور میں بھی ہم جماعت تھے...... اس جماعت سے کوئی بھی فرد باہر نہ تھا...... یہ جماعت ''عموم امت'' پر مشتمل تھی ...... اور جب افتراق ظہور پذیر ہوا تو اس جماعت میں وہ لوگ شامل رہے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار صحابہ کے نقوش قدم کی پیروی کی ...... ہر ایک فرد پر اس جماعت کی اتباع لازم تھی جس نے اس سے انحراف کیا وہ جماعت سے نکل گیا اور اس کا انجام بھیانک ہوا کہ جماعت پر اللہ اور اس کے رسول کی عنایتیں ہوا کرتی ہیں اور اس پر رحمتوں کا نزول ہوا کرتا ہے اور اللہ پاک کا ہاتھ ہوا کرتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے: {ید اللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار} کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو اس سے نکلا وہ جہنم میں گیا...... اور دوسری حدیث میں ہے: {قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعو السواد الاعظم من شذ شذ فی النار} کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو جو اس سے نکلا وہ سیدھا جہنم میں گیا ...... یہاں بڑی جماعت سے وہ جماعت مراد نہیں جہاں بے علموں اور بے پڑھے لکھے لوگوں کی کثرت ہو اور جس کی چال بھیڑ چال ہو بلکہ اس سے مراد وہ جماعت ہے جس کا ہر ایک فرد "ما انا علیہ واصحابی" کا پیروکار ہو...... ایسی جماعت سے منحرف ہونے کی اجازت نہیں اور یہ انحراف بھی تفرق فی الدین جیسا ہے اس لیے احادیث میں اس سے اور اہلِ افتراق سے بار بار بچنے کی تاکید کی گئی ہے

اس کے علاوہ ہمارے اکابر اور مشائخ عظام نے بھی اہلسنت وجماعت کے تمام افراد کو اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے...... اس طرح کی تلقین یونہی نہیں فرمائی گئی ہے بلکہ اسلامی شریعت کی روشنی میں فرمائی گئی ہے جیسا کہ اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے ...... صرف ہماری اردو زبان وادب ہی میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی افتراق کے

ساتھ ساتھ ایک اور لفظ ہے جو بار بار سنائی دیتا ہے اور وہ لفظ ''اختلاف'' ہے اس کا بھی وہی معنی مراد لیا جاتا ہے جو معنی افتراق کا لیا جاتا ہے ظاہری طور پر دونوں کے معانی میں کافی مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے......دونوں لفظوں میں گہری مناسبت کے باوجود ان کے مابین تفاوت بین بھی ہے جسے ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

(۱)......افتراق اختلاف کی تمام قسموں میں سب سے زیادہ شدید ہے اور جہاں تک اختلاف کی بات ہے وہ افتراق کے نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ ہے۔

(۲)......بعض اختلاف حد افتراق سے بہت نیچے ہوا کرتا ہے اسی طرح کا اختلاف صحابہ کرام......تابعین عظام اور ائمہ کے مابین پایا جاتا ہے مگر ان کے مابین افتراق کا سراغ کہیں نہیں ملتا ہے۔

(۳)......ہر افتراق اختلاف ہوسکتا ہے مگر ہر اختلاف کو کسی نے بھی افتراق سے تعبیر نہیں کیا ہے اس بنیاد پر اختلاف عام ہے اور افتراق اس کے مقابلہ میں خاص ہے۔

(۴)......افتراق مکمل طور پر شریعت میں ناجائز ہے اور اختلاف اس حیثیت سے ناجائز نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ ناجائز ہے اور کچھ جائز ہے۔

(۵)......افتراق کل کا کل مذموم ہے اور اختلاف کل کا کل مذموم نہیں ہے۔

(۶)......اختلاف میں گنجائش نکالی جاسکتی ہے اور افتراق میں گنجائش کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۷)......اختلاف رحمت ہے اور اختلاف کرنے والے نجات پاسکتے ہیں مگر افتراق ہر حال میں عذاب ہے اور اس دلدل میں پھنس جانے والے کبھی بھی رجوع وتوبہ کیے بغیر نجات نہیں پاسکتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "كُلُّهُمْ فِي النَّارِ" کہ سب کے سب جہنمی ہیں۔

(۸)......افتراق فرقوں کو جنم دیا کرتا ہے اور اختلاف کی صورت میں نہ کوئی فرقہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا گروہ نکلتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اختلاف ہمارے لیے

آسانیاں لے کر آتا ہے:

كما قال عمر بن عبد العزيز: ما احب ان اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لا يختلفون قال القاسم لانه لو كان القول قولاً واحداً لكان الناس في ضيق۔
(دراسات فی الاهواء والفرق، ص ۳۹)

ترجمہ...... حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف نہ کرتے یہ انہیں پسند نہیں اور علامہ قاسم اس کی تعلیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اگر ان سب کا قول ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے اس لیے اختلاف ناگزیر تھا ...... اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی اتباع کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے ...... اس فرمان عالی وقار سے جہاں صحابہ کرام کی فضیلت وعظمت کا اظہار ہوتا ہے ...... وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کے مابین اختلاف بھی ہوگا مگر یہ اختلاف ایسا ہوگا جو مسلمانوں کے لیے یسر وسہولت لے کر آئے گا اور حرج ودشواری سے مسلمانوں کو جدا رکھے گا۔

افتراق واختلاف کے تعلق سے جو باتیں پیش کی گئیں وہی "ما انا علیہ و اصحابی" کا پس منظر ہے ...... پسِ منظر جہاں لفظ کے معنی کو متعین کرتا ہے وہیں لفظ کی اہمیت وندرت کا احساس بھی دلوں میں بیدار کرتا ہے ...... صحابہ کرام کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ سوال کرنا کہ وہ نجات یافتہ فرقہ جو جنت کی بہاروں میں جائے گا اور جنتی کھانوں سے شادکام ہوگا، وہ کون ہے؟ یہ سوال کوئی آسان سوال نہیں ہے بلکہ یہ سوال اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جب افتراق پیدا ہوگا اور پھر اس کے نتیجے میں فرقے در فرقے نمود پاتے جائیں گے تو اس وقت حق اور اہل حق گم ہو جائیں گے اور پھر وہ پہچانے بھی نہیں جائیں گے ...... جس طرح بعثت سے پہلے کے حالات اس جہان گیتی کے کیا تھے وہ سب کو معلوم ہے عرب میں افتراق پہ افتراق تھا ...... اور لوگ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے ......

اسی لیے ان کے باطل معبودوں کی تعداد بھی کافی تھی ......اس افتراق کا یہ نتیجہ ہوا کہ حق کا تصور ہی ان کے ذہنوں سے محو ہو گیا اور جہاں بھی حق کا تصور معدوم ہو جائے وہاں افتراق کے شعلوں کے علاوہ کیا ہوگا اس زمانے میں اہل حق بصورت موحد تھے پھر یہ کہ ان کی تعداد اس قدر کم تھی کہ انہیں بآسانی انگلیوں پہ گنا جاسکتا تھا......اسی گم شدہ حق کی نمود کے لیے اور اس کے فروغ وارتقا کے لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے......اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ کہیں اسی افتراق کے شوروغل میں حق کی آواز نہ گم ہو جائے...... اسی اندیشہ شدید نے صحابہ کو سوال کرنے پر مجبور کیا......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پہچان بتادی......اور وہ پہچان "ما انا علیہ واصحابی" ہے...... پہچان اس لیے بتائی جاتی ہے تا کہ اس سے اہلِ حق کے عرفان میں آسانیاں ہوں اور جن افراد وشخصیات میں وہ علامت نظر آئے ان کی پیروی کی جائے۔ اور کبھی ان کے چہرے بھی نگاہوں میں محفوظ ہو جاتے ہیں، جو حق سے گریزاں ہوتے ہیں۔ یعنی علامت سے اہلِ حق اور اہلِ ہواوہوس دونوں سے انسان واقف ہو جاتا ہے۔

افتراق کا تاریخی ارتقا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پوری امت مسلمہ باہم متحد تھی ......آپس میں افتراق تو بہت دور کی بات ہے ان میں کوئی اختلاف بھی نہیں تھا اور اگر کہیں اختلاف تھا بھی تو حد افتراق کو نہیں پہنچا تھا، اسی لیے اس اختلاف کو رحمت سے تعبیر کیا گیا...... یوں تو اس کے تاریخی ارتقا میں اختلاف کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنا مناسب تھا خواہ وہ اختلاف چھوٹا ہو یا بڑا ہو مگر اختلاف کے ان تمام پہلوؤں کے بیان کرنے سے صفحات کے بڑھنے کا بھی اندیشہ تھا اسی اندیشہ کے خوف سے ہم صرف ان اختلافات کو بیان کریں گے جو حد افتراق کو پہنچے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے گمراہ فرقوں کا وجود عمل میں آیا......

پہلا افتراق:

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ سب سے پہلا افتراق جو سامنے آیا وہ خوارج کا فتنہ ہے

......اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کے لیے حضرت موسیٰ اشعری کو حکم بنایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص کو حکم مقرر کیا......بس اتنی سی بات پر کچھ لوگوں نے حضرت علی سے بغاوت کی اور ان سے خروج کر کے اپنی جماعت الگ تیار کر لی...... یہ جماعت اگرچہ ابتدائی دور میں نہایت ہی کمزور تھی نہ ان کے پاس طاقت تھی اور نہ جمعیت تھی مگر بعد میں ان لوگوں نے مقام حروراء میں قیام کر کے اپنی طاقت بنا لی اور اللہ کے سوا کسی کو حکم بنانے پر حضرت علی کی تکفیر کی اور ان سب کی تکفیر کی جنہوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا...... خوارج کا یہ فتنہ کوئی ایسا ویسا فتنہ نہیں تھا بلکہ ان کا یہ فتنہ افتراق تھا...... دین سے بغاوت تھی اور ایک امیر برحق کی حکومت سے انحراف تھا...... اسی افتراق کی بنیاد پر خوارج کا ایک نیا فرقہ وجود میں آیا......ان کے کیا نظریات تھے اور ان کے کیا عقائد تھے ان تمام چیزوں کو بیان کرنا اس موقع پر مناسب نہیں البتہ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں پیدا ہوا...... احادیث پاک میں ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے......

وکان ابن عمر یراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین۔ (بخاری شریف ۲/۱۰۲۴)

ترجمہ: حضرت ابن عمر خوارج کو اللہ کی تمام مخلوق میں بدترین تصور کیا کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا: ان کی خاص عادت یہ ہے کہ جو آیتیں کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، انہیں وہ مومنین پر اطلاق کیا کرتے ہیں:

"وقال علی۔ سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول سیخرج قوم فی آخر الزمان حداث الاسنان، سفهاء الاحلام ویقولون من خیر البریة لا یجاوز ایمانهم حناجرهم و یمرقون من الدین کما یمرق السهم

من الرمیة" (بخاری شریف ۲/۱۰۲۴، حدیث نمبر ۲۶۶۲)

ترجمہ...... حضرت علی نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا اخیر زمانے میں ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جو سب کے سب نو عمر اور بے وقوف ہوں گے اور نیکی کی باتیں کریں گے اس کے باوجود ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کو پھاڑ کر نکل جایا کرتا ہے......

عن ابی سلمه وعطابن یسار انهما اتیا ابا سعید الخدری فسالاه عن الحروریه اسمعت النبی صلی الله علیه وسلم قال لا ادری ماالحروریة سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یخرج فی هذه الامة ولم یقل منها قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتهم یقرؤون القرآن لایجاوز حلوقهم او حناجرهم یمرقون عن الدین کمروق السهم من الرمیة۔

(بخاری شریف ۲/۱۰۲۴ حدیث نمبر ۲۶۶۳)

ترجمہ...... حضرت ابوسلمہ اور عطا بن یسار سے روایت ہے دونوں حضرت ابو سعید خدری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے ان سے سوال کیا...... یہ حروریہ کیا ہے؟ کیا اس بارے میں آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: میں کسی حروری کو نہیں جانتا...... ہاں میں نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی نمازوں کو اپنی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر جانو گے اور وہ قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا...... حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ اس اُمت سے نکلے گا......

خوارج کا فتنہ ہجرت کے اڑتیسویں سال میں برپا ہوا...... یہ پہلا افتراق تھا جس کی وجہ سے ایک نئے فرقہ نے جنم لیا...... حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو انہیں

فہمائش کی اوران کے شبہات کاازالہ فرمایااورعلمی انداز میں قوت استدلال کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں اپنے باطل نظریات سے توبہ کرنے پر زور دیا......فہمائش کے ناکام ہونے کے بعد حضرت علی نے ان کے مقابلہ میں تلوار کااستعمال کیااوران سے جنگ لڑی اورتمام خوارج کا قلع قمع کردیا......کہاجاتا ہے نیکی بہت ہی کم پھیلتی ہے مگراس کے مقابلہ میں برائی دوڑتی اوراس کی ترقی کی رفتار بہت زیادہ تیز ہوا کرتی ہے......قلع قمع کرنے کے بعدبھی خوارج کافتنہ اگرچہ کچھ سالوں کے لیے ماند پڑ گیا......اس کے باوجوداس کی ایک چنگاری سلگتے سلگتے ایک شعلہ جوالہ بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں ۲۰/فرقے پیدا ہوگئے......یہ پہلی صدی کے نصف اول کاافتراق ہے۔

دوسراافتراق

باطل فرقوں میں سے ایک اورفرقہ بھی ہے جس کوکل بھی شیعہ کہاجاتا تھااورآج بھی اسے شیعہ ہی کہاجاتا ہے......دور حاضر میں اس کی تعداد کافی مقدار میں پائی جاتی ہے ہمارے ہندوستان کے اکثر شہروں میں شیعہ حضرات پائے جاتے ہیں......عراق اور بصرہ میں تو ان کی تعداد بے شمار ہے اور ایران میں توخیر ان کی حکومت ہی ہے......اس کے باوجودابھی مسئلہ حل نہیں ہواہے کہ شیعہ کب پیداہوئے......یہ وہ لوگ ہیں جوخارجیوں کے مقابل کھڑے تھے خارجیوں نے توحضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے بغاوت کرلی تھی اور ان کی جماعت سے الگ ہوچکے تھے مگرشیعہ حضرات نے بغاوت نہیں کی تھی بلکہ حضرت علی کے ساتھ تھے ان کے ساتھ چلتے تھے اوران کی جماعت میں شامل تھے......کیایہ تسلیم کرلیا جائے کہ ان کاوجودبھی حضرت علی کے دور میں ہوچکا تھا؟نہیں......ایسانہیں ماناجاسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسامانے کی صورت میں یہ لازم آئے گاکہ اگر یہ لوگ شیعہ تھے تو پھر اہلِ سنت کون لوگ تھے؟ حضرت معاویہ کے گروپ میں شامل ہونے والے! یہ حقیقت کے برخلاف ہے کہ حق پر دونوں تھے، حضرت علی کے ماننے والے بھی اورحضرت معاویہ کے ماننے والے بھی......اس لیے یہ ماننامناسب نہیں کہ شیعہ کاوجودحضرت علی کے دور مین

ہوا...... ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کا بیج ان کے دور میں پڑ گیا ہو مگر اس کا ظہور کربلا کے بعد ہوا ہے. بہر حال انہوں نے محبت میں غلو کی اور حضرت علی کے تعلق سے جو نظریہ پیش کیا وہ نہایت ہی مہلک اور ایمان کے لیے نہایت ہی مضر تھا...... شیعہ کوئی ایک فرقہ نہیں ہے بلکہ بقول ''صاحب ملل ونحل'' اس کے چالیس فرقے ہیں اور بارہ امام ہیں جنہیں یہ **معصوم عن الخطا** مانتے ہیں اور انہیں بارہ اماموں کو ''اثنا عشری'' کہا جاتا ہے ہمارے علمائے اہلِ سنت نے اس کا زبردست رد فرمایا ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں بہر حال یہ مانا جاسکتا ہے کہ اس کا ظہور پہلی صدی کے نصف آخر میں ہوا ہوگا...... اسی پہلی صدی ہجری میں فرقہ قدریہ اور فرقہ مرجئیہ کا ظہور ہوا...... اسی طرح اور بھی کچھ چھوٹے اور بڑے فرقوں نے جنم لیا اور اپنے اپنے باطل نظریات کی تشہیر کی اور مذہب اسلام کو نقصان پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کی......

دوسری صدی ہجری:

اس کے نصف اول میں ۴ر ایسے اشخاص کا ظہور ہو جنہوں نے عقائد دینیہ میں اختلاف کیا اور سب کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو ان کے ناموں اور القاب سے ملقب کیا۔

الف...... واصل بن عطا یہی وہ شخص ہے جو اعتزال کا بانی اور رئیس ہے...... واصل بن عطا ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی حضرت حسن بصری کے شاگرد تھے اور پکے شاگرد تھے کبھی ان کے حلقۂ درس سے جدا نہیں ہوئے اور جدا ہوئے تو ایسے ہوئے کہ حضرت حسن بصری کے افکار ونظریات اور عقائد کے سخت مخالف ہو گئے...... اور ان کی راہ سے منحرف ہو گئے، اسی انحراف کے سبب ان کو اور ان کے ماننے والوں کو معتزلہ کہا جاتا ہے کہ معتزلہ کا معنی ہی راہ سے ''ہٹا ہوا'' ہوتا ہے۔

ب...... جعد بن درہم ہے جس نے دین میں افتراق کیا اور اپنا گروپ الگ بنالیا اس نے بھی ایک فرقہ کی تشکیل کی...... یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن مقدس کو اللہ کا

کلام ہونے کا انکار کیا اور اسے مخلوق بتایا اس کے علاوہ جعد بن درہم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے خلیل ہونے کا بھی انکار کیا...... گو کہ اس فرقہ نے زیادہ زور نہیں پکڑا اور نہ ہی اس فرقے کے زیادہ افراد تھے اس کے باوجود کچھ اور نئے فرقے پیدا ہوئے جس نے اس کے مشن کو آگے بڑھایا اور اس کے افکار و نظریات کو فروغ دیا......

ج......جہم بن صفوان ہے اسی کے نام کی طرف فرقہ جہمیہ منسوب ہے انہوں نے اپنے فرقہ کی تشکیل میں کچھ اپنے نظریات کو شامل کیا اور کچھ دوسرے فرقہ کی نظریات کو لیا ......اس فرقہ نے بھی ''خلق قرآن'' کی بات کہی ہے حالانکہ یہ نظریہ خود ان کا اپنا نظریہ نہیں ہے بلکہ جعد بن درہم کا نظریہ ہے اس نے اس نظریہ کا بیج بویا اور جہم بن صفوان نے اسے تناور درخت کی صورت میں پیش کیا......اس کے علاوہ جہم بن صفوان نے اللہ تعالی کی صفتوں کا بھی انکار کیا......اور یہ بھی کہا کہ جنت و دوزخ اگرچہ ابھی موجود ہیں مگر بعد میں فنا کردیئے جائیں گے......اسی طرح ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ اللہ تعالی کا علم حادث ہے قدیم نہیں ہے ......جہم بن صفوان کو مسلم بن احوز نے قتل کیا

د......مقاتل بن سلیمان......اس نے بھی بدعت و اھواء کے فروغ و ارتقا میں زبردست حصہ لیا اور اپنا ایک فرقہ بنا کر اپنے نظریات کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا......اس نے اللہ کی صفات کا تو انکار نہیں کیا......مگر اس کے اثبات میں اس حد تک غلو کیا کہ اللہ تعالی کے لیے جسم ثابت کردیا......اور دست بھی ثابت کردیا......

۱۵۰ھ سے ۲۳۴ھ تک کا دور بڑا خطرناک دور گزرا ہے......اس سے پہلے ادوار میں افتراق نے کروٹ لی مگر مخصوص انداز میں کروٹ لی......اور دوسری صدی ہجری کے نصف ثانی سے تیسری صدی ہجری کے نصف اول تک افتراق نے کس قدر کروٹیں لیں؟ انہیں بتانا مشکل ہے اسی دور میں بدعتوں کا ظہور ہوا اور اس دور کی اکثریت اپنی خواہشات کی غلام بن گئی......قرآن مقدس کی آیتیں اور احادیث پاک کی غلط تاویلیں کی جانے لگیں ......اور سب کے سب اپنے اپنے مطلب میں چوکس ہوگئے......ایسے دور میں حق کی

شناخت مشکل ہو گئی ......ایک وہ بھی دور تھا جب اہل حق کی پہچان "ما انا علیہ واصحابی" سے ہو رہی تھیں اور اب ایک ایسا دور سامنے آ گیا کہ ہر جماعت اور ہر فرقہ اپنے آپ کو "ما انا علیہ واصحابی" کا مصداق بتانے لگا......اپنے اس دعویٰ میں کون سچا ہے اور کون اس سچائی کے برخلاف ہے، اسے جاننا ضروری ہے......

ما انا علیہ واصحابی اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے عقیدہ وایمان اور قول و عمل کو بھی شامل ہے......زہد واتقا اور تقوی و پرہیز گاری اور مجاہدہ نفس بھی اس کے دائرہ میں آتے ہیں......ربّ کی معرفت......نفس کی پاکیزگی......قلب کی صفائی......نظروں کا خم ہونا ......آوازوں کا پست ہونا......اشیائے کائنات پر غور وفکر کرنا......بصیرت سے دیکھنا اور نہایت ہی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا بھی "ما انا علیہ واصحابی" کا ایک حصہ ہے...... اللہ کے رسول کی تعظیم وتکریم......ان کی ذات والا سے وابستہ ہر چیز کا احترام بھی اسی میں آتا ہے۔ ادب واحترام کا شیریں اسلوب اور دلوں کو موہ لینے والا شگفتہ لب ولہجہ کہ جس کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے محبت اور عشق و فا کی خوشبو پھوٹتی ہو ما انا علیہ واصحابی کی خصوصیات ہیں۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے اس شعر کو پڑھئے اور خوب پڑھئے واقعی یہ شعر ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہے۔ صداقت وعدالت ...... سخاوت وشجاعت......سرفروشانہ کردار وعمل......سوز وگداز کی کیفیات......جاں سپاری...... آہ صبح گاہی......شب بیداری......اور رب کی بارگاہ میں مناجات وغیرہ وغیرہ ما انا علیہ واصحابی کے حصص ہیں......اس اعتبار سے ما انا علیہ واصحابی کی وسعت وکشادگی کا اندازہ کرنا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں ہے... ما انا علیہ واصحابی میں جو تابانی پائی جاتی ہے...... یہ اس کی اپنی تابانی ہے......نہ یہ ختم ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کمی آ سکتی

ہے...... یہ اور بات ہے کہ اس پر کوئی بادل کا ٹکڑا آ جائے ...... اور اسے اپنی ظلمتوں میں چھپالے...... کوئی اندھیرا گھر جائے اور اسے اپنی لپیٹ میں لے لے......

بس اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ایسا اجالا آئے اور ان اندھیروں کو ختم کردے اور حق وصداقت کے مطلع کو صاف شفاف بنا دے...... زمانہ رسالت سے دور ہونے کے سبب ہر انسان اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا کہ اس کے لیے جس بصیرت کی ضرورت تھی وہ سب کے اندر موجود نہیں...... ہاں! کچھ ایسے افراد ضرور تھے جو اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے تھے...... اس دور میں مسئلہ یہ درپیش تھا کہ کس کی بات قبول کی جائے اور کس کی قبول نہ کی جائے...... ایک وہ دور تھا کہ رجال کی شناخت حق سے ہوا کرتی تھی مگر یہ اس دور کی بات تھی جب حق روشن تھا لیکن اس دور میں حق روشن نہیں کہ بدعت و گمراہی نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اسی لیے حق کی شناخت کے لیے رجال کی ضرورت محسوس کی گئی... ما انا علیہ واصحابی امت مسلمہ میں افتراق کے بعد شناخت کا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے بہت سے افراد اپنے آپ کو غیروں سے ممتاز کر سکتے ہیں مگر اس کی یہ امتیازی شان وشوکت اس وقت تک کے لیے برقرار رہے گی جب تک افتراق کا جن بوتل میں بند رہے گا اور اس کے بال و پر کی نموونہ ہو پائے گی......

مگر اس وقت جب افتراق کے سبب فرقے جنم لیں گے اور اپنے باطل نظریات کے سبب اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ سے علاحدہ کرلیں گے تو اس وقت اہلِ حق کی شناخت صرف ما انا علیہ واصحابی سے نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ یہ باطل فرقے بھی اپنے آپ کو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق بتاتے ہیں...... کوئی اس بات کا دعوی نہ کرے کہ بس ہم ہی چالاک ہیں اور ہمارے پاس ہی سب کچھ ہے اور دوسرے کے پاس کچھ بھی نہیں ہے...... حق پر کاربند افراد تو اپنی ایمانی حرارت وتوانائی سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں اور اب تک بچاتے رہے ہیں مگر تاریخ میں ایک دور ایسا بھی آیا کہ افتراق نے اپنے پاؤں پسار دیئے...... اور افتراق کے سبب وجود میں آنے والے ہر ایک فرقہ نے اپنے لیے اس بات کا بھی دعوی کیا کہ ہم ہی

تو ہیں جو حدیث پاک ما انا علیه واصحابی پر کاربند ہیں...... ہمارے علاوہ کون ہے جو اس کا مصداق بن سکے؟ کوئی نہیں ہے......اس طرح کے فرقوں نے وہ خرافات مچائیں کہ اہل حق اپنے آپ کو ایسے باطل فرقوں سے ممتاز کرنے کے لیے کسی اور ''شانِ امتیازی'' کو تلاش کرنے لگے...... جب انہیں کچھ ہاتھ نہیں آیا تو اہل علم کی بارگاہ میں عرض کیا۔

یقول ابن سیرین :وهو من اهل القرن الاول الهجری لم یکونوا یسئلون عن الاسناد.فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم.فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم۔ (رواه المسلم،۱/۱۵)

ترجمہ...... حضرت ابن سیرین جو خود پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ فتنوں کے جنم لینے سے پہلے جب کسی سے کوئی بات کہی جاتی تھی تو کوئی بھی اس کی ''سند'' نہیں پوچھتا مگر جب فتنہ واقع ہوا اور بدعت پھیل گئی تو لوگوں نے کہا ہمیں ایسے لوگوں کا نام بتایا جائے جو اہلِ سنت سے ہوں تا کہ ان کی حدیث قبول کی جائے اور جو اہلِ بدعت سے ہوں ان سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت ابن سیرین کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ فتنوں کے وجود میں آتے ہی سند کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور جب فتنے واقع نہیں ہوئے تھے تو اس وقت سند کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی...... بدعت وگمراہی سماج ومعاشرہ اور انسانی مزاج وسرشت میں رچ بس جانے کے بعد اس طرح اندھیرا چھا گیا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے؟ اس کی پہچان مشکل ہوگئی۔ فتنوں کے واقع ہونے سے پہلے...... ما انا علیه واصحابی سے اس کی پہچان ہوا کرتی تھی مگر گمراہ فرقوں نے جب ما انا علیه واصحابی کا لبادہ اوڑھ لیا تو ظاہری بات ہے کہ گمراہ فرقوں کے اس عمل سے ما انا علیه واصحابی کی امتیازی

قوت متاثر ہوئی......اس لیے ہر فرد اس بات کو لے کر پریشان تھا کہ اس دور میں کون حق پر ہے اور کون حق سے جدا ہے؟......کس کی بات مانی جائے اور کس کی نہ مانی جائے اس کی شناخت ہی نہیں ہو پا رہی تھی......لہٰذا کچھ ایسے لوگوں کا نام بتایا جائے جن سے حدیث لی جائے......اسی ضرورت کے پیش نظر کچھ متبرک افراد کے اسمائے گرامی بتائے گئے جو اسی دور سے تعلق رکھتے تھے جن افراد کے نام بتائے گئے انہیں افراد کو محدثین اور ائمہ اہلسنت کہا جاتا ہے اور ان کی اتباع کرنے والوں کو "اهل السنة والجماعة" کا نام دیا گیا۔ اہلِ سنت وجماعت کا کیا مفہوم ہے اور اس کے کون کون سے امام ہیں؟ اس قسم کی معلومات کے لیے "باب سوم" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

بابِ سوم

اہلِ سنت وجماعت کی تشریح

اہلِ سنت وجماعت...... ایک اصطلاح ہے اور ایسی اصطلاح ہے جو "فصل" کی حیثیت رکھتی ہے...... ما انا علیه واصحابی کا لبادہ اوڑھے جو گمراہ فرقے اہل حق کی جماعت میں گھسے بیٹھے تھے انہیں نکالنے کے لیے یہ اصطلاح وجود میں آئی ...... اس کا مصداق وہ افراد ذی وقار تھے جن کا کردار وعمل اور قول وفعل بدعتوں کے ہجوم میں سند کا درجہ رکھتے تھے اور ان کی ذات کی طرف کسی قول کی نسبت کو حق کا معیار تصور کیا جاتا تھا ...... انہیں افراد کے نقوش قدم کی اتباع اور اطاعت "فرقہ ناجیہ" ہونے کی علامت تھی ...... اب تک جس قدر فرقوں کا وجود عمل میں آیا تھا...... سب کے عقائد ونظریات قرآن و احادیث کے خلاف تھے...... کچھ فرقوں کے عقائد باب اول میں پیش کر دیئے گئے ہیں ان کے ان عقائد کے پیش نظر اس بات کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ یہ فرقے کس قسم کے تھے اور سواد اعظم سے اپنے آپ کو جدا کرنے کا ان کا کیا مقصد تھا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "فرقہ ناجیہ" کا نام "اہل سنت وجماعت" کیوں رکھا گیا؟ ذیل میں اس کے ایک ایک لفظ کی تشریح کی جارہی ہے...... اسی تشریح سے اس کے نام رکھنے کی وجہ بھی سمجھ میں آجائے گی اور اس بات کا بھی اندازہ ہوجائے گا کہ فرقہ ناجیہ "اہلِ سنت وجماعت" سے الگ نہیں ہے...... بلکہ یہی "فرقہ ناجیہ" ہے...... تمام فرقوں

نے اپنے آپ کو ناجی قرار دیا...... کسی نے کہا ''سلفی'' ناجی ہے اور کسی نے یہ دعویٰ کیا جو تقلید کو نہیں مانتا ہے وہ ناجی ہے...... غرض کہ جتنے منہ تھے اتنے ہی باتیں ہو رہی تھیں...... کس کا دعویٰ اپنے آپ میں سچا تھا اور کس کا سچا نہیں تھا...... آنے والے صفحات میں اس کا اندازہ ہو جائے گا......

اہل کا معنیٰ اور اس کا استعمال......

لفظ ''اہل'' کا معنیٰ ''والا'' ہے اور اسی معنیٰ میں اس کا زیادہ تر استعمال ہوتا رہا ہے عربی زبان میں بھی، فارسی اور اردو میں بھی ...... اس معنیٰ میں جب بھی اس کا استعمال ہوتا ہے تو ''اہل'' مضاف کی صورت میں استعمال ہوتا ہے مثال کے طور پر......

اہلِ خانہ...... اہل رائے ...... اہلِ مذہب...... اہلِ معاملہ وغیرہ...... یہ وہ تراکیب ہیں جو روزمرہ کی زبانوں میں بولی جاتی ہیں اور اس کے معانی بھی سمجھ میں آتے ہیں...... اہلِ خانہ سے مراد ''گھر والے'' ...... اہلِ رائے سے مراد ''رائے والے'' ...... اہلِ مذہب سے مراد ''مذہب والے'' ...... اسی طرح عربی ادب میں بھی اس کا استعمال ''والا'' کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ بولا جاتا ہے... اهل الوبر اس سے مراد ''بدوی لوگ'' لیے جاتے ہیں...... عرب کا ایک مقولہ یہ بھی ہے "اهل المدر والحضر" اس سے عرب کے ''شہری لوگ'' مراد لیے جاتے ہیں...... لغت میں ''والا'' کے علاوہ...... اہل کے دوسرے معانی بھی ملتے ہیں، جیسے کنبہ...... خاندان ...... رشتہ دار وغیرہ...... اسی ''اہل'' سے لفظ ''اہلیہ'' بھی آتا ہے اور اس سے مراد ''گھر والی'' لیا جاتا ہے ...... بس اسی اہل کا استعمال ''اہلسنت وجماعت'' میں بھی ہوا ہے اور اس کا معنیٰ ''سنت وجماعت والا'' لیا جاتا ہے...... مفہوم کے اعتبار سے اس میں عمومیت ہے اور اس کی حیثیت ''کلی'' کی ہے...... اسی اہلِ سنت کا مخفف ''سنی'' ہے ...... صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں جو اہلِ حق ہیں اور خود کو ''فرقہ ناجیہ'' میں تصور کرتے ہیں ...... کبھی اپنے آپ کو ''اہل سنت وجماعت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اپنے آپ کو ''سنی'' سے تعبیر کرتے ہیں......

سنت کا مفہوم اور اس کا اطلاق......

اہلِ سنت و جماعت'' کی ترکیب میں دوسرا لفظ ''سنت'' ہے یوں تو لغت میں اس کا معنی ''طریقہ'' لکھا ہوا ہے اسی طرح اس کا معنی ''راہ'' بھی لیا جاتا ہے......سنت کا یہی معنی اردو میں بھی لیا جاتا ہے، فارسی زبان میں بھی، اور عربی زبان میں بھی سنت بول کر یہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔

السنة۔ھی الطریقة ،والسیرة حسنة او قبیحة۔ محمودة او مذمومة قال ابن فارس السنة السیرة وسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیرته۔

(مجمل اللغة)

ترجمہ......سنّت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے......چاہے وہ اچھا طریقہ ہو یا برا ہو......قابلِ مدح ہو یا لائق ذم ہو......اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی جانب اس کی نسبت کی جاتی ہے تو اس سے ان کی سیرت مراد لی جاتی ہے......صاحب لسان العرب نے سنت کو سنن سے ماخوذ مانا ہے اور اس کا معنی طریقہ بتایا ہے جیسا کہ ابن منظور نے کہا ہے:

ھی ماخوذة من السنن وھی الطریق

شریعت میں سنت کا معنی......

شریعت اسلامیہ میں سنت بول کر اس سے چند معانی مراد لیے جاتے ہیں ...... محدثین اس سے کچھ اور معانی مراد لیتے ہیں اور اصولیین کے نزدیک اس کے کچھ اور معانی ہیں......ذیل میں ان معانی کی وضاحت کی جارہی ہے۔

الف......السنة عند المحدثین

السنة ھی ما اثر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قول ،او فعل ،او تقریر ،او صفة خلقیه اور خلقیه او

سیرۃ سواء کان قبل البعثۃ او بعدھا۔

(قواعد التحدیث، ص ۶۴)

ترجمہ...... سنّت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو...... قول منقول ہو یا فعل...... تقریر منقول ہو یا کوئی صفت ہو...... پھر یہ کہ وہ صفت خلقی ہو یا خلقی ہو...... اسی کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں وہ صفت کسبی ہو یا وہبی ہو...... یا سیرت منقول ہو...... چاہے وہ بعثت سے پہلے کی سیرت ہو یا بعد کی سیرت ہو۔

ب...... السنۃ عند الاصولیین۔

السنۃ ھی ما نقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر قال الآمدی قد تطلق ای السنۃ علی ما صدر عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الادلۃ الشرعیۃ مما لیس بمتلو ولا ھو معجز ولا داخل فی المعجز وھٰذا النوع ھو المقصود والبیان ھٰھنا ویدخل فی ذٰلک اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ وتقریرہ۔

(احکام فی اصول الاحکام، ص ۲/۳۰۲)

ترجمہ...... سنت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو...... قول یا فعل یا تقریر...... آمدی نے کہا اور سنت کا اس پر بھی اطلاق ہوا کرتا ہے ادلہ شریعہ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوا اور وہ متلو نہ ہو یعنی اس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو اور نہ وہ معجزہ ہو اور نہ معجزہ کے دائرہ میں داخل ہو...... اس مقام پر یہی بیان کرنا ہمارا مقصد ہے ...... اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی داخل ہیں اور آپ کے افعال بھی الخ

سنت کے یہ وہ معانی ہیں جو محدثین اور اصولیوں کی اصطلاح میں رائج ہیں...... اسی طرح فقہائے کرام نے سنّت سے کیا مراد لیا ہے، ذیل میں اس کی بھی توضیح کی جارہی ہے۔

ج... السنة عند الفقهاء.

السنة ما ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر افتراض ولا وجوب.

ترجمہ......سنت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ نہ فرض ہو اور نہ واجب۔

سنّت علمائے فقہ کے نزدیک ایک اصطلاح ہے اور اس کی مختلف قسمیں ہیں جیسا کہ اہلِ علم سے مخفی نہیں......سنّت وہ ہوا کرتی ہے جو نہ فرض ہو اور نہ ہی واجب ہو......اس کی دو قسمیں ہیں اول سنت مؤکدہ اور دوم سنت غیر مؤکدہ......دونوں کی تعریف کرتے ہوئے حضور صدر الشریعہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں۔

سنّت مؤکدہ......وہ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو......البتہ بیان جواز کے واسطے کبھی ترک بھی کیا ہو...... یا وہ کہ اس کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو البتہ جانب ترک کبھی مسدود نہ فرمادی ہو...... اس کا ترک اساءت اور کرنا ثواب اور نادراً ترک پر عتاب اور اس کی عادت پر استحقاق عذاب۔

سنّت غیر مؤکدہ......وہ کہ نظر شرع میں ایسی مطلوب ہو کہ اس کے ترک کو ناپسند رکھے مگر اس حد تک کہ اس پر وعید عذاب فرمائے عام ازیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی یا نہیں......اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنا اگر چہ عادۃً ہو موجب عتاب نہیں۔۔(بہار شریعت ۱/۸)

سنت کے تعلق سے جو باتیں پیش کی گئیں......ان سے اس بات کا علم ہو گیا کہ سنت کیا ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ہر ایک قسم کی کیا تعریف ہے؟ اور اس بات کی بھی جانکاری ہو گئی کہ محدثین نے اس سے کیا معنی مراد لیا ہے اور فقہا جب اس لفظ کو بولتے ہیں تو

اس سے ان کی مراد کیا ہوا کرتی ہے؟۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سنت کے جو معانی بتائے گئے کہ اربابِ لغت کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے اور محدثین نے اس سے یہ معانی مراد لیے ہیں...... اسی طرح اصولیوں نے اس کے تعلق سے وہ معانی مراد لیے جو ان کے فن کے لیے مناسب تھا...... فقہائے کرام نے اس سے غیر فرض اور غیر واجب مراد لیا ہے ...... یہ تمام تفصیلات درس وتدریس اور علم وتعلیم کے اعتبار سے تو بہت خوب ہیں اور اس قدر خوب ہیں کہ اس پر عمل کرنے سے شخصیت میں جمال آتا ہے اور کمال بھی ......اس سے ذہن وشعور میں بالیدگی آتی ہے ...... ان تمام خوبیوں کے باوجود بات ابھی واضح نہیں ہو پائی ہے بلکہ ہم اسی منزل پر کھڑے ہیں جہاں سے ہم نے یہ سفر شروع کیا تھا..........

ہوسکتا ہے میری ان باتوں سے آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی کہ جب سنت کے بیان کرنے سے اب تک کوئی فائدہ نہیں ہوا تو پھر اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟...... تو پھر وہی کام کرنا چاہیے تھا جس سے فائدہ ہوسکتا تھا......اس طرح ہم نے اپنا بھی وقت برباد کیا اور آپ کے قیمتی وقت کے ساتھ بھی ہم نے کوئی انصاف نہیں کیا...... بات تو صحیح یہی ہے کہ اس سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوا...... میں اسی کشمکش میں تھا کہ دل نے سرگوشی کی...... اور بتایا...... فائدہ ہوا اور ضرور فائدہ ہوا...... ہاں! یہ اور بات ہے کہ اس فائدہ کا آپ کو شعور نہ ہوا......

اہلِ سنت کی جو اصطلاح ہے وہ نہ صرف اہل لغت کی اصطلاح ہے......اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصطلاح محدثین کی ہے......اصولی بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں یہ صرف اور صرف ہماری اصطلاح ہے ......فقہائے کرام بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس اصطلاح پر صرف ہماری اجارہ داری ہے......اگر میں یہ کہوں کہ اس مقام پر "سنت" سے وہ معانی مراد ہیں جو لغت میں بتائے گئے ہیں......تو میری یہ بات غلط ثابت ہوگی کہ اس قول سے اصطلاح اہل سنت کی معنویت ختم ہو جائے گی......فقہا و محدثین اور اصولیوں کے علام، فنۃ ۱۰۱ میں اسے مقید نہیں کر سکتے ہیں کہ اس سے بھی اس کے دائرہ میں تنگی آنے کا

امکان پیدا ہو جاتا ہے...... لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مقام پر وہی معنی مراد لیا جائے جس پر سب کا اتفاق ہو...... اسی لیے اس مقام پر "سنت" سے "وہ عقائد وخیالات" مراد لیے جائیں جو شکوک وشبہات اور اوہام ووسوسوں سے منزہ ہوں ...... یہ صرف میرا اپنا خیال نہیں ہے بلکہ عوامی رجحانات بھی یہی ہیں۔ کہ عوام جب بھی اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے صحیح اور منزہ عقائد ہی مراد لیتے ہیں ...... وہ عقائد ونظریات مراد نہیں لیتے جو اوروں نے لیے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ افتراق کے بعد بہت سے گمراہ فرقوں نے عقائد و نظریات میں غلط تاویلات کیں ...... اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے عقائد میں تبدیلیاں کیں...... رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور فرشتوں کے تعلق سے نظریات میں بھی اوہام باطلہ نے راہ پالی...... اسی طرح جنت ودوزخ اور اللہ کے محبوب بندوں کی شان میں گستاخیاں کی جانے لگیں...... قرآن مقدس کے بارے میں مخلوق ہونے کی بات کہی گئی ...... غرض یہ کہ اسلامی عقائد ونظریات میں کافی ردوبدل کیے گئے اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ سنت سے وہ معنی مراد لیا جائے جس سے عقیدہ وایمان کی سلامتی مقصود ہو...... اس افتراق اور اس کے نتیجہ میں فرقوں کے وجود کے بعد سنت سے جو معنی مراد لیا گیا ذیل میں درج کیا جارہا ہے جیسا کہ منہج اہلسنت میں ہے۔۔

لکن بعد انتشار الفرق والبدع صار تعریف السنة هو کما قال ابن رجب ..ثم صار فی عرف کثیر من العلماء المتأخرین من اهل الحدیث وغیرهم :السنة عبارة عما سلم من الشبهات فی الاعتقادات خاصة فی مسائل الایمان بالله وملائکته و کتبه ورسله والیوم الآخر وکذالك فی مسائل القدر وفضائل الصحابة وصنعوا فی هذا العلم تصانیف وسموها

كتب السنة وانما خصوا هٰذا العلم باسم السنة لان خطره عظيم والمخالف فيه على شفا هلكه.

(منهج اهل السنة، ص ۲۴۱)

ترجمہ......لیکن افتراق وبدعت کے پھیل جانے کے بعد سنت کی درج ذیل تعریف کی جانے لگی۔ جیسا کہ ابن رجب کا ماننا ہے: اہل حدیث کے کثیر متاخرین علما کے نزدیک سنت کی تعریف اس طرح کی گئی...... اعتقادی مسائل میں شبہات سے سلامتی کا نام سنت ہے...... خاص کر ایمان باللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت کے مسائل کی سلامتی...... اسی طرح تقدیر کے مسائل...... فضائل صحابہ سے متعلق نظریات کا شبہات سے حفاظت کا نام سنت ہے...... علمائے متاخرین نے اس فن میں کتابیں تصنیف کیں اور اس کا نام ''کتب السنۃ'' رکھا اور اس علم کو ''علم بالسنۃ'' سے تعبیر کیا اس لیے اعتقادیات کے معاملہ میں یہ خطرہ عظیم ہے اور جن لوگوں نے عقائد میں اختلاف کیا وہ ہلاکت کے بہت قریب ہیں الخ۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ''اہل سنت وجماعت'' میں جو لفظ ''سنت'' سے ماخوذ ہے اس سے عقائد میں سلامتی مراد ہے...... شبہات سے سلامتی ہو...... اوہام اور وسوسوں سے سلامتی ہو اور بیجا تاویلات سے سلامتی ہو...... کوئی اسی وقت ''اہل سنت'' سے ہوسکتا ہے جب اس کے عقائد میں ہر طرح کی سلامتی پائی جائے اور جس کے عقائد میں فتور پایا جاتا ہے اس کا ''اہل سنت'' سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا ہے...... اب اس بات کا جائزہ ہر انسان لگا سکتا ہے کہ اس کے عقائد کیسے ہیں؟ اور اس کے اعتقادی نظریات میں کیا پایا جاتا ہے سلامتی یا فتور؟......

جماعت اور اس کا معنی............

''اہلِ سنت وجماعت'' میں ایک لفظ ''جماعت'' بھی ہے...... یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا معنی سب کو معلوم ہے کہ فرد واحد کو جماعت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے...... ہاں! جب بہت سے افراد مل جاتے ہیں اور ہر ایک مقصد وخیال اور فکر واعتقاد میں متفق ہوجاتے

ہیں تو اس پر ''جماعت'' کا اطلاق ہوا کرتا ہے اور جہاں افتراق کی صورت نمایاں ہو جاتی ہے تو اسے ''جماعت'' سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے جہاں تک نظریات میں اختلاف کی بات ہے تو اس سے جماعت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ اختلاف فطری ہوا کرتا ہے اور افتراق غیر فطری ہوا کرتا ہے اس لیے افتراق جماعت سے میل نہیں کھاتا ہے اور اختلاف میل کھاتا ہے...... جماعت کے استعمال سے کوئی دھوکہ نہ کھائے کہ کہیں اس کے استعمال کی چیز بری ہوتی ہے جیسے جماعت اسلامی...... تبلیغی جماعت...... اور قادیانی جماعت وغیرہ اور کہیں اس کا استعمال قابل مدح وستائش ہے، جیسے ''اہل سنت وجماعت'' اب ذیل میں جماعت کی تحقیق پیش کی جارہی ہے:

جماعت کا لغوی معنی:

الجماعة لغةً ...اصلها من الجمع وهو تاليف المتفرق ...والجماعة اذاً تعنى الاجتماع وضدها الفرقة ثم اطلقت الكلمة على انها اسم لطائفة من الناس.

جیسا کہ کہا جاتا ہے:

الجماعة العدد الكثير من الناس والشجر ووالنبات وطائفة من الناس يجمعهم غرض واحد......

(المجمع الوسیط، ص ۳۵)

جماعت...... اس کی اصل جمع ہے اور اس کا معنی بکھرے ہوؤں کو جمع کرنا ہے خواہ بکھرے ہوئے پودوں کو جمع کیا جائے یا گھاس کو...... جماعت نام ہے ایک ہی قسم کے بہت سے لوگوں کے جمع ہونے کا...... بشرطیکہ سب کے سب ایک ہی مقصد اور غرض کے تحت جمع ہوئے ہوں۔

جماعت اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے کہ اس کے دائرہ میں نباتات کا جمع ہونا بھی آتا ہے اور اشجار کا جمع ہونا بھی آتا ہے اسی طرح جمع ہونے کی غرض بھی عام ہے

......دنیوی غرض سے جمع ہونے والوں پر بھی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے اور دینی مقاصد میں سے کسی مقصد پر جمع ہونے والون پر بھی جماعت کا اطلاق ہوا کرتا ہے مگر "اہل سنت و جماعت" میں جو "جماعت" شامل ہے اس کا نہ معنی عام ہے اور نہ ہی جمع ہونے کا مقصد عام ہے......اس جماعت میں افراد ہی جمع ہو سکتے ہیں اشجار اور نباتات کے جمع ہونے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے......اسی طرح اس کا مقصد اور غرض بھی خاص ہے یعنی عقیدہ وایمان کو تمام وسوسوں سے محفوظ رکھنے اور مشتبہ چیزوں سے حفاظت کرنے کے مقصد سے افراد و رجال کا جو جم غفیر ہوتا ہے اسی پر "اہل سنت و جماعت" کا اطلاق ہوا کرتا ہے......اہلسنت و جماعت میں "سنت و جماعت" کی شمولیت یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بہت سے مسائل ہیں جنہیں سمجھنا ضروری ہے تا کہ اس میں شان امتیاز باقی رہے......اس حوالے سے ذیل میں احادیث ملاحظہ کریں

اصطلاح "اہل سنت و جماعت" میں سنت کی شمولیت اس بنا پر ہوئی کہ اس کی جانب خود حدیث پاک میں اشارہ پایا جاتا ہے......جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

فانه من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافاً كثيراً
فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين
تمسكوا بهاوعظوا عليها بالنواجذ رواه احمد وابو
داؤدوالترمذی وابن ماجه۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰)

ترجمہ......تم میں سے جو بھی میرے بعد زندہ رہے گا وہ کثیر اختلاف دیکھے گا پس اس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ اور راشدین خلفا کی سنت پر عمل کرو اسی کو تھام لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو اس حدیث کو احمد ابوداؤد وامام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے الخ۔

دیکھئے اس حدیث پاک میں سنت پر عمل کرنے کی بات کہی گئی ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف وافتراق نے سر ابھارا تو ہم "فرقہ ناجیہ" نے اسی سنت کو

مضبوطی سے تھام لیا اور اب تک تھامے ہوئے ہیں...... ہمارا کوئی عمل اور کوئی عقیدہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے اربعہ کے خلاف نہیں ہے......سنت پر اسی التزام کے سبب ہم نے اپنے لقب میں سنت کا اضافہ کیا اور اہل سنت کہلائے جانے لگے......اب رہی ''جماعت'' کی بات تو ظاہر ہے کہ ''اہلسنت وجماعت'' میں جماعت کا اضافہ بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا گیا ہے بغیر سوچے سمجھے ہم نے اور ہمارے لوگوں نے نہیں کیا ہے......

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جماعت پر اللہ کی تائید ہوتی ہے...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ تہتر فرقوں میں سے بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا، تو صحابہ نے عرض کیا...... یا رسول اللہ وہ خوش نصیب فرقہ کون ہے؟ ارشاد فرمایا وہ فرقہ جماعت ہے......(تلخیص حدیث پاک)

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اس فرقہ کے نام ولقب میں جماعت کا لفظ شامل ہوگا ......کیا اس میں اس بات کی جانب اشارہ نہیں ہے اس فرقہ کا نام جماعت ہے...... ہاں! اشارہ ہے تو پھر ہم نے اور ہمارے اکابر نے اپنا نام ''اہلسنت وجماعت'' رکھا...... یوں تو اس جہاں میں بہت سے فرقے ہیں کسی فرقہ نے اپنے نام کے ساتھ جماعت کو شامل نہ کیا ہے اور نہ ایسا کرسکتا ہے کہ جس کے نصیب میں ایسا کرنا تھا سوانہوں نے ایسا کیا......اس سے یہ ثابت ہوا کہ فرقہ ناجیہ ہونا ہمارے لیے مقدر تھا اس لیے ہمارے لقب میں لفظ جماعت شامل ہوگیا اور جس کی تقدیر میں جہنمی لکھا تھا تو اس کے نام میں یہ لفظ کیسے شامل ہو سکتا تھا؟............

فرقہ ناجیہ اور اس کے القاب......

یوں تو ہر ایک فرقہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہم لوگ ناجی ہیں اور جنت میں جانا اور اس کی بہاروں سے محظوظ ہونا ہمارے لیے مقدر ہے...... کسی بات کو اپنی زبان سے ادا کر دینا تو بہت زیادہ آسان ہوا کرتا ہے مگر عقل ونقل اور فکر واعتقاد سے اسے ثابت کرنا بہت زیادہ مشکل ہوا کرتا ہے......مگر ہم ہر اعتبار سے ''فرقہ ناجیہ'' کے مصداق ہیں۔ اور اس

کی مختلف وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اختلاف و افتراق کی حالت میں سنت پر عمل کیا اور جماعت کے ساتھ رہے اور خلفائے راشدین کو اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کیا اور ان کی محبت و عقیدت کو اپنے دلوں میں جگہ دی ہے اور ان کے ہر ایک قول و عمل پر اپنے سر تسلیم خم کیا ہے تو پھر نجات ہمارے پلہ میں نہ ہوگی تو پھر کس کے پلہ میں ہوگی؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت ہمارا مزاج ہے...... ہماری فطرت ہے...... اور ہماری سرشت ہے...... ہم کسی بھی دور میں جماعت سے نہ باہر ہوئے اور نہ کبھی باہر ہو سکتے ہیں ...... اسی لیے جماعت کی تابانیاں ہمارے چہروں سے نمایاں ہوتی ہیں اور ہمارا لقب بھی یہی جماعت ہے...... بتایئے وہ کون سا فرقہ ہے جس کا چہرہ ہی جماعت ہو؟ چراغ لے کر تلاش کرنے سے بھی ایسا کوئی فرقہ نہیں ملے گا۔۔۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف کامیاب ہیں بلکہ جو ہمارے ساتھ آتا ہے وہ بھی کامیاب ہو جاتا ہے اور جو ہم سے بدکتا ہے وہ در در بھٹکتا رہتا ہے...... اسے نہ چین ملتا ہے اور نہ سکوں میسر ہوتا ہے...... اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں

در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

ایسا اس لیے ہے کہ ہم ہی ''سواد اعظم'' ہیں ہمارے علاوہ کوئی اور ''سواد اعظم'' ہو نہیں سکتا کہ سواد اعظم ہونے کے لیے دو امروں کا ہونا ضروری ہوتا ہے

امر اوّل...... یہ ہے کہ اس کی تعداد اس قدر ہو کہ اس کے مقابل تعداد میں کوئی اور فرقہ نہ آسکے...... بہتر فرقوں میں بہت سے ایسے فرقے ہیں جو اب نو پید ہو چکے ہیں اب ان کا کوئی وجود نہیں تو کیا ایسے فرقے ''سواد اعظم'' ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی ہی میں ہوگا کہ نہیں ہرگز نہیں...... اور اب تک جو فرقے پائے جاتے ہیں...... وہ بہت ہی زیادہ محدود ہیں ایک یا صرف چند شہروں میں پائے جاتے ہیں مگر اہل سنت وہ جماعت ہے

جو ہر جگہ ہر ملک اور ہر شہر میں پایا جاتا ہے کوئی مقام ہمارے وجود سے خالی نہیں ہے اس لیے ''سوادِاعظم'' ہم ہیں۔

امر دوم ...... یہ ہے کہ ''سواد اعظم'' ہونے کے لیے جہاں تعداد کی کثرت ضروری ہوتی ہے وہیں اس بات کا ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ حق پر ہو...... اہل حق کے قلوب صاف وشفاف ہوتے ہیں۔ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ اہل حق دور سے پہچان لیے جاتے ہیں ایمان کے نور سے ان کی پیشانیاں روشن ومنور ہوتی ہیں ......

''سواداعظم'' کی اتباع کا حکم ہے...... سواداعظم کے ساتھ رہنے کی تاکید کی گئی ہے ...... جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے

حدیث نمبر (۲۱۶۵) ...عن ابن عمر قال خطبنا عمر بالجابیة وقال: یا ایھالناس انی قمت فیکم کمقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینا فقال: اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف ویشھد الشاھد ولا یشتشھد الا لا یخاون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطان علیکم بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد من اراد بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ من سرتہ حسنتہ وسأء تہ سیئتہ فذالکم المومن۔ (اخرجہ احمد، ۱/۱۸)

ترجمہ...... حضرت ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا حضرت عمر نے مقام جابیہ میں ہمارے بیچ خطبہ فرمایا اور کہا ...... میں تمہارے درمیاں کھڑا ہوں ٹھیک اسی طرح میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیاں کھڑے ہوکر خطبہ فرمارہے تھے آقائے کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اپنے صحابہ کی پیروی کرنے کی وصیت کرتا ہوں پھران کی جوان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) کی۔ پھران کی جوان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین) کی...... اس کے بعد کذب عام ہو جائے گا یہاں تک کہ مرد بات بات پر قسم کھائے گا حالانکہ کوئی اس سے قسم کھانے کو نہیں کہے گا۔ اور گواہ گواہی دے گا حالانکہ کوئی اس سے گواہی دینے کو نہیں کہے گا...... خبردار کوئی شخص کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے مگر یہ کہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہوگا۔ تم پر جماعت کی اتباع لازم ہے تم جماعت سے جدا ہونے سے بچو! اس لیے کہ شیطان علاحدہ ہونے والے کے زیادہ قریب ہوا کرتا ہے اور دولوگوں سے دور رہا کرتا ہے جو جنت میں جانے کا ارادہ کرے اس پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہے جسے اس کی نیکی خوش کردے اور برائی جسے ناخوش کردے پس وہی مومن ہے الخ............

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں:

هٰذا حديث حسن صحيح غريب من هٰذاالوجه وقد رواه ابن المبارك عن محمد بن سوقة وقد روى الحديث من غير وجه عن عمر عن النبی ﷺ۔

ترجمہ...... یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس سند سے غریب ہے اور اسی حدیث کو ابن مبارک نے محمد بن سوقہ سے روایت کیا ہے اس کے علاوہ یہ حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے حضرت عمر سے اور انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے الخ لہٰذا اس حدیث کی غرابت دور ہوگئی اور اس کا حسن وصحیح ہونا ثابت ہوگیا۔۔

حدیث نمبر (۲۱۶۶) ...عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يد الله مع الجماعة وهٰذا الحديث غريب لا نعرفه من حديث ابن عباس الا من هٰذا الوجه۔

ترجمہ...... یہ حدیث ابن طاؤس سے مروی ہے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ اللہ تعالی کی تائید ہوا کرتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے سوائے اس سند کے جو مذکور ہوئی الخ

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جماعت کی اتباع کی جائے...... یوں اس تعلق سے اور بھی بہت سی احادیث ہیں جنہیں میں اندیشہ طوالت کے سبب ترک کرتا ہوں...... مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت سے کون لوگ مراد ہیں اور کن لوگوں کی جماعت معتبر ہوا کرتی ہے اس دور میں تو بہت سی جماعتیں ہیں...... اسلامی جماعت...... تبلیغی جماعت...... الیاسی جماعت...... ظاہر ہے یہ جماعت نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ اس جماعت کی پیروی کی جائے گی جس کا وجود عہد رسالت میں ہو اور قرون ثلاثہ میں بھی ہو...... یہاں چودہویں صدی کی جماعت مراد نہیں۔

جماعت کس طرح معتبر ہوسکتی ہے؟ یہ سوال ایک اہم سوال ہے اس کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ بات مسلم ہوجائے اور پھر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے......

لائق اتباع جماعت پر فکری بحث......

جماعت کیا ہے؟ کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے؟ جماعت کا وجود خارج میں کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے؟ حالانکہ جماعت کو سبھی جانتے ہیں...... سبھی مانتے ہیں اور سبھی لوگ اس کی اتباع بھی کرتے ہیں...... اس کے باوجود کسی کو نہیں معلوم کہ جماعت کہاں ہے؟ ...... جماعت اپنے اندر کلیت کا مفہوم رکھتی ہے اور ہر فرد اپنی فطرت وطبعیت کے سبب جماعت کا محتاج بھی ہے کہ جماعت کے بغیر کام نہیں چلتا ہے...... نہ گھر کا اور نہ ہی گھر کے باہر کا...... نہ سماج کا اور نہ ہی ملک وملت کا...... قیادت بھی جماعت کے بغیر ممکن نہیں اور سیاست کے لیے بھی جماعت کا ہونا ضروری ہے...... بہرحال اس سے ثابت ہوتا ہے کہ "جماعت" "کلی طبعی" ہے جو صرف متفاہم اور متصور ہوتی ہے...... اس کا وجود خارج میں ممکن نہیں......

مگر یہ کہ افراد کے ضمن میں اس کا وجود ہوا کرتا ہے...... جس طرح انسان کہ ''کلی طبعی'' ہے اس کا بھی خارج میں وجود نہیں ہے مگر زید وعمر اور خالد کے ضمن میں ...... جب جماعت کا وجود اس کے افراد کے ضمن میں پایا جاتا ہے...... تو بات صاف ہے کہ جماعت افراد ہی سے معتبر ہوا کرتی ہے...... جس طرح کے افراد ہوں گے اسی طرح کی جماعت ہوگی...... ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے کہ افراد غیر معتبر ہوں اور اس کی جماعت معتبر ہو جائے اگر کہیں ایسا ہوا ہو تو بتایا جائے ...... اس فکری اور منطقی بحث کو اپنے ذہن میں رکھیں اور ذیل میں فراہم کیے گئے شواہد کا مطالعہ فرمائیں۔

قال ابو عیسیٰ وتفسیر الجماعة عند اهل العلم هم اهل الفقه والعلم والحدیث ...قال وسمعت الجارود بن معاذ یقول : سمعت علی بن الحسن یقول سألت عبدالله بن المبارك من الجماعة؟فقال ابوبكر وعمر قیل له قد مات ابوبكر وعمر قال فلان وفلان قیل له وقد مات فلان وفلان فقال عبدالله بن المبارك وابو حمزة السكری جماعة ...ابو عیسیٰ وابو حمزة هو محمد بن میمون وكان شیخاً صالحاً وانما قال هذا فی حیاته عندنا۔ (ترمذی شریف، ص ۳۶۰)

ترجمہ...... امام ابوعیسیٰ نے فرمایا اہل علم کے نزدیک جماعت سے مراد...... اہل فقہ...... اہلِ علم اور اہلِ حدیث یعنی محدثین ہیں...... امام ترمذی نے فرمایا میں نے ''جارود بن معاذ'' سے سنا انہوں نے کہا: میں نے ''علی بن حسن'' سے سنا انہوں نے فرمایا: میں نے ''عبداللہ بن مبارک'' سے پوچھا۔ جماعت کون ہے؟ ''عبداللہ بن مبارک'' نے کہا ابوبکر اور عمر ہیں ...... کسی نے کہا وہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں...... ''عبداللہ بن مبارک'' نے کہا: فلاں فلاں پھر ان سے کہا گیا وہ دونوں بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے

......اس کے بعد ''حضرت عبداللہ بن مبارک'' نے فرمایا: ابوحمزہ السکری جماعت ہے...... امام ترمذی نے فرمایا ''ابوحمزہ'' ان کا نام ''محمد بن میمون'' ہے جو شیخ اور نیک وصالح تھے...... ''عبداللہ بن مبارک'' نے یہ بات ''ابوحمزہ'' کی حیات میں کہی......یہی میرے نزدیک درست ہے الخ

اس فکری بحث اور ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ جماعت کی شناخت افراد سے ہوا کرتی ہے اور ''جماعت'' اور ''حق'' کے مابین لزوم پایا جاتا ہے جیسا کہ اسی ترمذی شریف میں ہے "ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ" کہ اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ جماعت ہی حق ہے اور حق ہی جماعت ہے......اب رہی بات باطل و گمراہی کی۔تو وہ نہ حق ہے اور نہ جماعت ہے...... بات صاف ہوگئی کہ جماعت اور حق کے مابین ''تساوی'' کی نسبت پائی جاتی ہے...... جماعت مساوی ہے حق کا اور حق مساوی ہے جماعت کا...... تو ظاہر ہے کہ جو امر ''شئی مساوی'' کو معتبر کر رہا ہے تو وہ اسے بھی معتبر کرے گا جو اس شئی کا مساوی ہے......میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ابھی کچھ سال پہلے ہمارے ہندوستان میں ایک فتنہ کھڑا ہوا تھا کہ رجال کی شناخت حق سے ہوا کرتی ہے مگر لوگوں نے رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کرنا شروع کردیا......میں نے اس نظریہ کو فتنہ اس لیے کہا کہ اگر ان کا یہ نظریہ تسلیم کرلیا جاتا ہے تو ہمیں بہت کچھ بدلنا پڑے گا اور کہاں کہاں تک بدلنا پڑے گا؟ شاید ہمارے نکتہ چیں کو اس بارے میں زیادہ جانکاری نہیں ہے......اگر اس بات کی جانکاری ہوتی یا اس کا احساس ہوتا تو وہ اس نظریہ کو پیش کرنے سے پہلے کم از کم سو بار ضرور سوچتا یا پھر اپنے دوستوں اور چاہنے والوں سے ضرور مشورہ کرتا......اسی لیے کہا جاتا ہے عجلت میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے......کہ عجلت والی رائے شرمندگی کا باعث بھی ہوا کرتی ہے۔۔۔

وہ افراد جو مجسم ''جماعت'' ہوا کرتے تھے۔۔

گزشتہ اوراق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جماعت میں کچھ ایسے بھی افراد ہوا کرتے

ہیں جو اپنی ذات میں جماعت کی رعنائیاں رکھتے ہیں اور انہیں کے دم قدم سے جماعت کی تابانیاں برقرار رہتی ہیں...... اور انہیں اہل زمانہ حق کی علامت تصور کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ یہاں حق کی شناخت رجال کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ پر جماعت کا اطلاق ہوتا تھا۔ صحابہ کے بعد جن لوگوں نے ان کے نقوش حیات کو اپنے لیے چراغ ہدایت بنایا جماعت کا اطلاق ان پر ہوتا تھا۔ حق کو سمجھنے کا یہی سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں سے جن حضرات پر جماعت کا اطلاق ہوتا تھا ان کی ایک مختصر فہرست ذیل میں پیش ہے:

☆......حضرت ابوبکر صدیق ☆......حضرت عمر فاروق ☆......حضرت عثمان بن عفان ☆......حضرت علی بن ابی طالب ☆......سعد بن ابی وقاص ☆......عبدالرحمٰن بن عوف ☆......ابن مسعود ☆......معاذ بن جبل ☆......زید بن ثابت ☆......عبادہ بن صامت ☆......ابوموسیٰ الاشعری ☆......عمار بن یاسر ☆......ابوھریرہ ☆......ابوسعید خدری ☆......حضرت عائشہ ☆......☆......امام حسن ☆......امام حسین......حضرت ام سلمہ وہ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تابعین میں سے:

☆......سعید بن مسیب ☆......عروہ بن زبیر ☆......محمد بن حنفیہ ☆......علی بن حسین ☆......عبداللہ بن حسن ☆......محمد بن مسلم ☆......جعفر بن صادق ☆......مالک بن انس ☆......عبدالملک بن عبدالعزیز ☆......اسماعیل بن ابی ادیس۔۔

اسی طرح تابعین میں بھی ایسے عظیم تر افراد تھے جو جماعت کی نمائندگی فرمایا کرتے تھے اس وقت میرے پاس ''کاشف الغمہ'' کتاب موجود ہے جس میں جماعت کے نمائندہ افراد کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ مصنف نے پوری تفصیل کے ساتھ اسے تحریر کیا

ہے یہی نہیں بلکہ انہوں نے شہروں کے اعتبار سے نمائندہ افراد کا تذکرہ کیا ہے ...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے یہ نمائندہ افراد کیا قرونِ ثلٰثہ تک محدود ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ہر دور میں نمائندہ افراد رہے ہیں ...... یہ اور بات ہے کہ ہر دور میں نمائندہ افراد الگ الگ رہے ...... اسی طرح ہر شہر میں اور ہر دور میں نمائندہ افراد رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ قیامت تک رہے گا اور اس فرقہ ناجیہ کی حفاظت کے لیے نمائندہ افراد کا ہونا ضروری ہے اگر یہ افراد نہ رہیں گے تو پھر فرقہ ناجیہ کا اتصال کیسے ہوگا؟ اور صبح قیامت تک اس کا سلسلہ کیسے جاری رہے گا؟ ...... اس لیے قدرت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے یہ نظام متعین فرمادیا ہے۔

کون سا فرقہ نصرت یافتہ ہے؟

معلومات وتشریحات کے سبب اب تمام قارئین اجالوں اور چاندنی کے مقام پر کھڑے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نصرت یافتہ کون سا فرقہ ہے ...... اور وہ کون سی جماعت ہے جن کی کامیابی فلاح و بہبودی اور سعادت مندی و فیروز بختی کا تابناک سورج ہے ...... ظاہر ہے وہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا ہے اور دور حاضر میں جس کی پہچان "مسلک اعلیٰ حضرت" سے ہوتی ہے اور اسی کا لقب اہل سنت و جماعت ہے اسی کو "الطائفة المنصورة" بھی کہا جاتا ہے ...... یہ لقب بھی کسی کا دیا ہوا نہیں ہے اور کوئی دے بھی کیسے سکتا ہے؟ جب کہ دینے والا صرف اور صرف میرا نبی ہے ان کے علاوہ کون دے سکتا ہے؟ اور اگر کوئی دیتا ہے تو انہیں کے دینے سے دیتا ہے ...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بڑی پیاری بات کہی ہے آپ فرماتے ہیں ؎

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

جس گروہ کے ساتھ اللہ پاک کی تائید ہوتی ہے اور جو محبوبانِ الٰہی کے نقوش قدم کی پیروی کرتا ہے اس سے بڑا نصرت یافتہ کون ہوسکتا ہے؟ جب اس طرح کے بہت سے لوگ

مل بیٹھتے ہیں تو ایک جماعت تشکیل پاتی ہے اور گروہ تیار ہو جاتا ہے...... یہ ایک کارواں ہوا کرتا ہے جو حفاظت بھی کرتا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کو صاف شفاف بھی کرتا ہے ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات پاک میں اس جماعت کی نشاندہی فرما دی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کی برسات ہوا کرتی ہے اور جس کی نصرت و مدد کی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما اخاف على امتى الائمة المضلين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة من امتى على الحق ظاهرين لا يضرهم من يخذلهم حتى ياتى امر الله ...قال ابو عيسى هٰذا حديث حسن صحيح ...سمعت محمد بن اسماعيل يقول سمعت على بن المدائنى يقول وذكر هٰذالحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة من امتى ظاهرين على الحق فقال على هم اهل الحديث۔ (الجامع الترمذى ص ۳۶۹)

ترجمہ......ثوبان سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کو گمراہ رہنماؤں سے اندیشہ ہے (کہیں وہ میری امت کو گمراہ نہ کردیں ......پھر انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور ان سے بغض رکھنے والے ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے...... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے گا...... امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور پھر امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے محمد بن اسماعیل کو یہ کہتے ہوئے سنا...... میں نے علی بن

المدینی کو یہ کہتے سنا۔ کہ وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرر ہے تھے کہ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا......علی نے کہا اس گروہ سے مراد اھل حدیث ہے الخ

اس حدیث پاک کے تعلق سے کچھ اہم باتیں بعد میں پیش کی جائیں گی......اس سے قبل میں لفظ ''اہل حدیث'' پر گفتگو مناسب سمجھتا ہوں۔۔۔

ہندوستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر ملکوں میں بھی جس قدر غیر مقلد اور وہابی ہیں......وہ اپنے آپ کو کبھی ''محمدی جماعت'' کہتے ہیں اور کبھی ''سلفی'' سے تعبیر کرتے ہیں اور خود کو ''اہل حدیث'' بھی کہتے ہیں......وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ حدیث پاک میں جس گروہ کے تعلق سے یہ ارشاد ہوا کہ وہ سب پر غالب رہیں گے اس گروہ سے مراد ''اہلِ حدیث'' ہیں۔

ان کا یہ خیال غلط فہمی اور خام خیالی پر مبنی ہے، اس کے مختلف اسباب ہیں:

الف......دور حاضر میں جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں یہ ان کا نام ہے یا پھر لقب ہے اور حدیث پاک میں جو لفظ ''اھل الحدیث'' آیا ہے اس سے مراد نہ لقب ہے اور نہ ہی عَلَم مراد ہے......بلکہ اس سے جملہ مضاف اور مضاف الیہ مراد ہے اس لیے ان کا یہ استدلال غلط ہی نہیں سراسر غلط ہے

ب......حدیث پاک کا لفظ ''اھل حدیث'' مرکب ہے یعنی اس ترکیب میں ہر ایک لفظ اپنے معنی کے جز پر دلالت کرتا ہے کہ اہل کا معنی ''والے'' ہے اور حدیث سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول و فعل اور تقریر ہے جو روایتوں اور سندوں کے حوالے سے ہم تک پہونچے ہیں......اور وہ لفظ اہل حدیث جو ان کا لقب ہے وہ مرکب نہیں بلکہ منطقی اعتبار سے مفرد ہے اس لیے وہابیہ اہل حدیث کے لفظ سے خود کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔۔۔

ج......سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق

پر قائم رہے گا...... جب دور صحابہ میں اس کا وجود ہی نہیں تھا...... تو اس کے حق پر قائم رہنے کا کیا مطلب ہوگا؟ اور ایسوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم ہی "فرقہ منصورہ" ہیں کہاں تک سچ ہوگا؟

اس لیے مناسب ہے کہ جس ترکیب میں عمومیت ہے اسے اپنے مقام پر ہی رہنے دیا جائے اور اس کی بیجا تاویل کر کے اپنے مطلب کا مفہوم نہ نکالا جائے...... صحیح بات تو یہ ہے کہ اہل حدیث سے مراد وہ جماعت ہے جو حدیث پر عمل کرتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قبول کرتی ہے اور ان ارشادات کے سہارے اپنی زندگی میں تابنا کی لانے کی کوشش کرتی ہے وہ جماعت اہل سنت و جماعت ہے...... اہل سنت و جماعت نہ تحریف کرتی ہے اور نہ بیجا تاویل سے کام لیتی ہے اس لیے روئے زمین پر اگر کوئی "جماعت منصورہ" ہے تو وہ "اہل سنت و جماعت" ہے۔

اہلِ سنت اور سواد اعظم۔۔۔

اہلِ سنت و جماعت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ "سواد اعظم" ہے اس کے علاوہ کوئی ایسا فرقہ نہیں پایا جاتا ہے جسے "سواد اعظم" کہا جائے...... سواد اعظم ہونا کسی خاص دور یا خاص زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ ہر دور میں "سواد اعظم" رہا ہے اور قیامت تک رہے گا...... کوئی بھی دور "سواد اعظم" سے نہ خالی رہا ہے اور نہ کبھی خالی رہے گا ...... اس کا اطلاق افرادی قوت پر بھی ہوتا ہے اور اس کی کیفیت یعنی حق پر قائم رہنے پر بھی ہوتا ہے۔ اگر چہ اس کے ساتھ افراد نہ ہوں "فرد واحد" بھی "سواد اعظم" ہو سکتا ہے...... یہ اس کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے ہمیں جماعت دی اور جماعت میں شامل کیا...... "سواد اعظم" کیا ہے؟ اور کسے کہا جاتا ہے؟ حالانکہ گزشتہ باب میں "سواد اعظم" کے تعلق سے اجمالی طور پر کچھ بیان کر دیا گیا ہے...... اب ذیل میں اس کی مزید وضاحت کی جارہی ہے

السواد الاعظم...

دو لفظوں سے مرکب ہے سواد اور اعظم ...... یوں تو دونوں لفظوں کے الگ الگ معانی ہیں مگر ان دونوں کی ترکیب سے ایک ایسا مفہوم ذہن کے پردہ پر رونما ہوتا ہے جو

جمالیات اور تحسینیات کا پتہ دیتا ہے اور اس کی رعنائی اور تابناکی کی نشاندہی کرتا ہے...... حق اور حقانیت کو ثابت کرتا ہے اور عظمت واولویت کو واضح کرتا ہے......

السواد الاعظم... عربی لغات کے تناظر میں

السواد...

۱... نقیض البیاض

۲... تحرك الالف بين السا كنين يجوز فى الشعر

۳... سواد القوم اى معظمهم يقال رأيت سواد القوم

۴... جماعة النخل والشجر لخضرواته واسوداده

وقيل انما ذالك لان الخضرة تقارب السواد

۵... جماعة من الناس وقيل هم الضروب المتفرقون

وفى الحديث انه قال لعمر رضى الله عنه انظر الى هٰؤلاء

الاساود حولك اى الجماعات المتفرقة ويقال مرت

بنا اساود من الناس۔

(لسان العرب لابن المنظور ۲۴/۲۱۴۲)

السواد الاعظم من الناس هم الجمهور الاعظم والعدد الكثير من المسلمين تجمعوا على طاعة الامام وهو السلطان۔

(لسان العرب لابن المنظور ۲۴/۲۱۴۲)

الاعظم هو اسم تفضيل من مادہ عظم من باب كرم يكرم معناه الكبر..

ترجمہ...... عربی لغات میں "سواد" کے مختلف معانی آئے ہیں۔

۱...... سفید کی نقیض یعنی کالا

۲...... دوساکنوں کے بیچ الف کو حرکت دینا اس کا استعمال فن شاعری میں ہوا کرتا ہے۔

۳......سردار، قابل تعظیم۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "رأیت اسود القوم" میں نے لائق تعظیم سردار کو دیکھا۔

۴......پیڑ اور پودوں کی کثرت کو بھی سواد کہا جاتا ہے چونکہ یہ پیڑ پودے ہرے ہوتے ہیں......اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کو سواد سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ان کی ہریالی کالے پن کے قریب ہوا کرتی ہے۔

۵......لوگوں کی ایک ٹولی کو بھی سواد کہا جاتا ہے یعنی ان ٹولیوں کو کہا جاتا ہے جو الگ الگ ہوا کرتی ہیں جیسا حدیث پاک میں ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ذرا ان ٹولیوں کو دیکھو، جو تمہارے گرد جمع ہیں اور اہلِ عرب کا قول ہے لوگوں کی ٹولیاں میرے پاس سے گزریں......

سوادا عظم......جمہور اعظم اور عدد کثیر کو کہا جاتا ہے جس نے ایک امیر کی اطاعت پر اتفاق کر لیا ہو......اعظم "عظم" سے بنا ہے اس کا معنی بڑا ہے اور "اعظم" اسی "عظم" کا "اسم تفضیل" ہے اس کا معنی بہت بڑا آتا ہے......

سوادا عظم......لغت کے اعتبار سے "ایک بہت بڑی جماعت" کو کہا جاتا ہے...... شریعت میں بھی اسی معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے......البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہاں جماعت سے کیا مراد ہے کسی نے اس سے صحابہ کی جماعت مراد لی ہے اور کسی نے اہل علم کی جماعت مراد لی ہے اور کسی نے عام مسلمین کی جماعت مراد لی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

قال الطبری :اختلف فی ھٰذا الامر وفی الجماعة فقال قوم ھو للوجوب والجماعة السواد الاعظم وقال قوم المراد بالجماعة الصحابة دون من بعدھم وقال قوم المراد بھم اھل العلم لان الله جعلھم حجة علی الخلق والناس تبع لھم فی امر الدین۔

(فتح الباری بشرح البخاری ۱۳/۴۰)

علامہ طبری نے کہا: امر اور جماعت کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے جماعت کی پیروی کو واجب کہا ہے اور جماعت سے مراد ''جماعت صحابہ'' ہے ان سے بعد والے نہیں اور کسی نے کہا: جماعت سے مراد ''اہل علم'' کی جماعت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی جماعت کو تمام مخلوق کے لیے ''حجت'' قرار دیا ہے اور عامۃ الناس کو دینی معاملات میں ان کا پیروکار بنایا ہے الخ

جماعت اور سواد اعظم کا معنی جو بھی مراد لیا جائے اس کا مصداق صرف اور صرف ''اہلِ سنت و جماعت'' ہی ہے کہ یہی ''جمہور اعظم'' ہے اور اسی کی اتباع کا حکم ہے اور یہ حکم بھی واجب ہے اس جماعت کو چھوڑ کر جس جماعت کی بھی پیروی کی جائے گی وہ امر وجوب کے خلاف ہوگا اور باعث ہلاکت بھی......

اہلِ حق کا لقب اہلِ سنت و جماعت ہے:

مذکورہ تمام توضیحات وتشریحات سے ثابت ہوا کہ ''اہل سنت و جماعت'' ہی ناجی ہے اور یہی حق پر ہے اور یہی حق والے ہیں اور بڑی جماعت والے بھی ہیں تو پھر اسی کی پیروی کی جائے ......اب رہی بات ان فرقوں کی جو ہمارے ہندوستان اور ایشیا میں پائے جاتے ہیں مثلاً شیعہ ......وہابیہ...... قادیانی ...... چکڑالوی...... نیچری...... وہابی......اور دوسرے باطل فرقے تو ان کے پاس کچھ نہیں ہے نہ علم ہے اور نہ شعور وفہم ہے نہ حق ہے اور نہ حق والوں کی جماعت ہے اور نہ ان کے پاس جماعت ہے اور نہ ہی بڑی جماعت ہے تو پھر یہ لوگ کس منھ سے کہتے ہیں کہ میری پیروی کرو...... ان کی کوئی بات لائق حجت نہیں اور ان کا کوئی عمل نمونہ عمل نہیں ہے یہ خود کھوکھلے ہیں اور ان کا گروپ بھی کھوکھلا ہے یہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ ان کو کسی جماعت سے تعبیر کیا جائے ہاں یہ لوگ گروپ ہیں ...... ٹولی ہیں اور لوگوں کی ٹکڑیاں ہیں ...... یہ ٹولیاں سواد اعظم سے منحرف ہیں اور جماعت سے نکلی ہوئی ہیں اس لیے شریعت میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ہی اتباع کے لائق ہیں ان سے تو دور رہنے میں ہی فائدہ ہے دنیا میں بھی فائدہ ہے اور آخرت میں بھی......

اہلِ سنت وجماعت کا تعارف مکمل ہو گیا اور اور اس سے کون لوگ مراد ہیں قریب قریب اسے بھی واضح کر دیا گیا ہے اور اس کے القاب بھی بتا دیئے گئے ......اس کے باوجود ابھی اس کا ایک اور پہلو تشنہ ہے......اس کا اطلاق کس کے مقابلہ میں ہوا...... یہ تو ثابت ہو گیا کہ اس کے مسائل اعتقادی مسائل ہیں جو تمام تر شکوک وشبہات سے دور، وسوسوں اور بیجا تاویلوں سے منزہ ہیں ......انہیں اعتقادی مسائل کے پیش نظر علم عقیدہ مدون ہوا اور علم کلام بھی......ان دونوں کے تعلق سے تیسرے باب میں تفصیل سے بحث کی جائے گی......

یہاں ہم اہلسنت کے اطلاق سے بحث کر رہے ہیں ......اس کے اطلاق کی دو نوعیت ہے......پہلی نوعیت یہ کہ اہلسنت بول کر محض اسکا موضوع اور اس کے مسائل مراد لیے جائیں اور یہی اصطلاح کا حقیقی تصور بھی ہے کہ جب ''علم نحو'' بولا جاتا ہے یا جب ''علم منطق'' بولا جاتا ہے تو اس سے صرف اس کے مسائل مردا لیے جاتے ہیں......اس لیے ہم جب بھی اہل سنت بولا کرتے ہیں تو اس سے صرف وہ عقائد مراد لیتے ہیں جو صحابہ...... تابعین اور تبع تابعین ھٰکذا الی یومنا ھذا......اہلِ سنت کا یہ اطلاق ''اطلاق خاص'' ہے۔

اور اہلِ سنت کے اطلاق کی دوسری نوعیت اس کا اطلاق عام ہے اس اطلاق میں محض اس کے اعتقادی مسائل مراد نہیں لیے جائیں گے بلکہ اعتقادی مسائل اس حیثیت سے مراد لیے جائیں گے کہ کس کے مقابل میں یہ اعتقادی مسائل ثابت کیے گئے ہیں......

ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ یہ شق آپ نے کہاں سے نکال لی؟......اس کا تو کہیں تذکرہ بھی نہیں ہے......تو میں اس بارے میں عرض کروں گا کہ عہد رسالت میں علم عقائد کی تدوین نہیں ہوئی تھی صرف علم عقائد ہی کی بات نہیں ہے بلکہ کوئی بھی فن مدون صورت میں نہیں پایا جاتا تھا بلکہ اس کی تدوین بہت بعد میں ہوئی ہے......اور تدوین بھی بلا ضرورت نہیں ہوتی ہے جب کوئی ضرورت سامنے آتی ہے جبھی تدوین کا عمل شروع ہوا کرتا ہے......

للہذا ثابت ہوا کہ تدوین منسوب الی الضرورۃ ہوا کرتی ہے اور خود ضرورت منسوب الی الاسباب ہوا کرتی ہے اور اسباب ضرورت میں فرقوں کا وجود میں آنا ہے اور ان فرقوں کے

باطل نظریات کی اشاعت ہے جس نے تدوین علم عقیدہ کی جانب اہل علم اور فکر رسا افراد کی توجہ مبذول کی، بس اسی کا سلسلہ درسلسلہ ہونا ہی حیثیت کے مفہوم کو متعین کرتا ہے اور اہلسنت کے اطلاق کو اطلاق عام کی جانب لے جاتا ہے یقیناً اس سے ثابت ہوا کہ اہلسنت باطل فرقوں کے مقابلہ میں وجود پذیر ہوا...... اور ہم دلائل و براہین کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں...... اہلِ سنت وجماعت کی وضع باطل فرقوں کے مقابلہ میں ہوئی ہے...... جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

ثم ان هٰذا اللقب صار يطلق اطلاقين

الاول منهما على اهل السنة المحضة كما هو على الصطلاحى الحقيقى

الثانى اطلاق عام يشمل عدة فرق يجمعها اثبات احقية خلافة الاربعة الراشدين مسابل من ينكر خلافة الثلثة ابى بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم .وهم الرافضة واشتهر الرافضه بالبدعة عند عامة الطوائف لانهم كانوا اكثرناس مخالفة للاحاديث ولمعانى القرآن ولانهم كانوا اكثرالناس قدحاً فى سلف هٰذه الامةوائمتها وطعنافى جمهور الامة من جميع الطوائف ولذالك قوبلوا بهٰذا اللقب..... (منهج اهل السنة والجماعة، ص۲۵)

ترجمہ...... پھر یہ کہ یہ لقب (اهل السنة وجماعة) دوطریقوں سے بولا جاتا ہے۔ ان میں اول اس کا اطلاق اهل السنة المحضة پر ہوتا ہے جیسا کہ اصطلاح حقیقی کا اطلاق ہوا کرتا ہے...... اور ان میں سے دوسرا ”اطلاق عام“ ہے جس میں چند ایسے فرقے شامل ہیں جو خلفائے اربعین کی خلافت کی حقانیت کو ثابت کرتے ہیں...... اس طرح

اہل سنت کا لقب ان کے مقابل ہوا جو ابو بکر و عمر اور عثمان غنی کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور وہ رافضی ہیں کیونکہ رافضی تمام لوگوں اور جماعتوں کے نزدیک بدعت میں شہرت پا گئے ہیں کہ یہ رافضی احادیث اور معانی قرآن کے مخالف ہیں...... اور اس امت کے سلف اور ان کے اماموں پر تنقید کرتے ہیں...... اور جمہور امت پر طنز کستے ہیں...... اس لیے یہ لقب یعنی اھل السنۃ والجماعۃ رافضی کے مقابلہ میں بولا گیا۔ الخ

اگر اہل سنت و جماعت کو صرف رافضی کے مقابلہ میں ہی تصور کیا جائے جیسا کہ صاحب منہج اہل السنۃ والجماعۃ کا خیال ہے تو پھر یہ لقب اندھیروں میں گم ہو جائے گا اور اس کا نجات یافتہ ہونا مشکوک ہو جائے گا اور یہ حدیث پاک کے بھی خلاف ہو جائے گا...... اس لیے کہ اس صورت میں اہلسنت و جماعت کا اطلاق کسی ایک فرقہ پر نہ ہوگا بلکہ ان تمام فرقوں پر ہوگا جو رافضی کے خلاف ہیں کہ ۷۲ جہنمی فرقوں میں سے ہر ایک رافضی کا عقیدہ نہیں رکھتا ہے بلکہ ان میں سے بعض فرقے وہ ہیں جو رافضی کے خلاف عقیدے رکھتے ہیں اور چاروں خلفا کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہلسنت صرف ایک فرقہ نہیں بلکہ رافضی کے خلاف جتنے فرقے ہیں وہ سب اہل سنت سے ہیں اور نجات یافتہ ہیں...... کیا یہ بات صحیح ہے؟...... نہیں ہرگز نہیں بلکہ مفہوم حدیث کے بھی خلاف ہے کہ ایک ہی فرقہ جنتی ہے باقی سب جہنمی ہیں اور وہ ایک اہل سنت و جماعت ہے...... اس لیے صحیح بات یہ ہے اہلسنت جو ناجی فرقہ کا لقب ہے یہ کسی ایک فرقہ کے مقابل نہیں ہے بلکہ ان تمام فرقوں کے مقابل ہے جن کے تعلق سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے......

اہلِ سنت میں سے کون ہو سکتا ہے؟

تاریخ کے اوراق پلٹتے چلے جائیں...... ہر ایک ورق میں کچھ ایسی باتیں ضرور مل جائیں گی، جن سے اہل سنت و جماعت کے چمکتے دمکتے چہرہ پر کچھ کچھ دھندلا دھندلا ضرور نظر آئے گا...... حالانکہ اس کا چہرہ صاف ہے اور آفتاب و مہتاب کی مانند روشن و تابناک

ہے تو پھر یہ دھندلا پن کیوں؟...... اس بارے میں عرض ہے یہ دھندلا پن اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ کسی نے اسے دھندلا کرنے کی کوشش کی ہے ...... کس نے کی؟ اور کیسے کی؟ اس بارے میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟...... شروع سے اب تک یہی ہوتا رہا ہے اس کام میں کیسے کیسے لوگ شریک ہیں اگر آپ ان کا نام سنیں گے اور ان کے کارناموں کے تعلق سے جانکاری حاصل کریں گے تو دانت تلے انگلی دبالیں گے اور حیرت میں کہہ اُٹھیں گے: اوہ اوہ!...... ایسے لوگ اور ان کے یہ کارنامے؟ اس لیے بہتر ہے راز راز ہی رہے کسی کے راز کو طشت از بام کرنا انسانیت اور دیانت کے خلاف ہے کام سے کام رکھئے آم کے دام مت پوچھیے......

اہلِ سنت وجماعت میں سے کون حق پہ ہوسکتا ہے؟ کیا ہر کسی کو دیکھتے ہی کہہ دیا جائے یہ اہلِ سنت میں سے ہے؟ نہیں! اس کی بھی پہچان ہے کوئی نہ کوئی علامت ضرور ہے جس کی بنیاد پر یہ جانا جاتا ہے کہ یہ سنی ہے اور یہ غیر سنی ہے ...... یہ محبت والا ہے اور یہ محبت والا نہیں ہے ...... دورِ حاضر میں اس کی علامت ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی'' کی ذات گرامی ہے کہ ان کا نام نامی اسم گرامی سنتے ہی جس کے چہرہ پر شگفتگی آجائے اور بشاشت کی رمق دوڑ جائے تو آپ سمجھ لیجئے کہ وہ سنی ہے اور جس کے چہرہ پر نام کے سنتے ہی ناگواری کے اثرات مرتب ہوجائیں تو وہ کبھی سنی نہیں ہوسکتا ہے......

ایک مرتبہ رجہت کے سنیوں نے حضرت مولانا قادر بخش شہسرامی رحمۃ اللہ علیہ کو وعظ کے لیے رجہت بلایا...... وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو کسی نے پوچھا: سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ بھی سمجھ سکیں ......اور اس کے ذریعہ سنی اور وہابی کو پہچان سکیں ......کوئی بڑی علمی بات نہ ہو......انہوں نے فرمایا: ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے ......آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوجائیں کہ سنی ہے یا وہابی بد مذہب۔ تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجیے اور اس کے چہرہ کو بغور دیکھئے۔ اگر چہرہ پر

بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھیے تو یقین جانیے وہ سنّی ہے اور اگر چہرہ پر پژمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھیے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ اس زمانہ میں "لا یحبہ الا مومن لا یبغضہ الا منافق" میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے جتنے اہل سنت ہیں سب اعلیٰ حضرت کے مداح بلکہ عاشق صادق اور محب مخلص ہیں۔۔۔۔ (حیاتِ اعلیحضرت، ج ا، ص ۱۳۱۔۱۳۲)

مکہ مکرمہ کے قاضی القضاۃ حضرت مولانا سید محمد علوی مالکی کی خدمت میں علمائے کرام کا ایک وفد حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا:

نحن تلامیذ تلامیذ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ...... یعنی ہم لوگ اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ...... اتنا سنتے ہی مولانا سید محمد علوی سروقد اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرداً فرداً ہم لوگوں سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا اور بے حد تعظیم کی پھر دوبارہ شربت وقہوہ پیش ہوا اور انہوں نے پوری توجہ ہم لوگوں کی جانب مبذول فرمادی ایک آہ سرد بھر کر فرمایا "سیدی علامہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نحن نعرفہ بتصنیفاتہ وتالیفاتہ وحبہ علامۃ السنۃ وبغضہ علامۃ البدعۃ۔ یعنی ہم حضرت مولانا احمد رضا کو ان کی تصنیفات وتالیفات سے پہچانتے ہیں ان کی محبت سنیت کی علامت ہے اور ان سے بغض بدمذہبی کی پہچان ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۳۲۱)

واقعہ یہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلی بار زیارت حرمین کے لیے

تشریف لے گئے تو اس وقت اس سفر میں اعلیٰ حضرت کے والد محترم حضرت مولانا محمد نقی علی خاں بھی ساتھ میں تھے اور آپ نے نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی۔

حضرت امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لیتے ہوئے دولت کدہ تشریف لے گئے۔ دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین. بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں۔۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۶۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے الفت و محبت اور ان کی تصنیفات و تالیفات سنت اور حق و صداقت کا معیار قرار دینے کی صورت میں جہاں غیروں میں شور و غل مچا وہیں اپنوں کے خیموں میں کھلبلی پیدا ہوگئی...... یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تاریخ میں ایسا ہوتا رہا ہے جب بھی کوئی شخصیت معیارِ حق و صداقت قرار دی گئی ہے تو ایک محدود حلقہ خلش کا شکار ہوا ہے۔

...وقال عبد الرحمن بن مهدی: اذا رأیت بصریا یحب "حماد بن زید" فهو صاحب سنة.... وقال ابن عون فی البصریین اذا رأیت الرجل یحبه فاطمئن الیه وفی الکوفیین "مالك بن مغول وزائده بن قدامة اذا رأیت یحبه فارج خیرا. (کاشف الغمة، ص ۱۹)

ترجمہ...... عبدالرحمٰن مہدی نے کہا: جب تم کسی بصری کو دیکھو! وہ حماد بن زید سے محبت کرتا ہے تو اسے اہلسنت سے سمجھو۔

ابن عون نے بصریوں کے تعلق سے فرمایا جب کوئی بصری حماد بن زید سے محبت کرتا ہے تو اس بات کا اطمینان رکھو کہ وہ اہل سنت سے ہے اور کوفیوں کے لیے معیار حق "مالک بن مغول اور زائدہ بن قدامہ ہیں کہ جو ان سے محبت کا اظہار کرتا ہے اس کے بارے میں خیر کی امید رکھو!

اعلیٰ حضرت کو "معیار سنیت" قرار دینے پر جو لوگ واویلا مچارہے ہیں اور شور وغل کررہے ہیں خواہ وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں ......مدارس سے متعلق ہوں یا کسی خانقاہ سے متعلق افراد ہوں...... مجھے ان کی عقل وخرد اور فکر و دانش پر رونا آتا ہے کہ اس قدر آسان بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے اس کی فہمائش کے لیے نہ کسی منطقی طرز استدلال کی ضرورت اور نہ کسی اصولی کی مانند بحث وتمحیص کی حاجت ہے یہ تو آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے اور سبھی جانتے ہیں کہ اچھے لوگوں سے محبت کرنا اچھے ہونے کی علامت ہے اور بروں سے محبت کرنا اس کے برے ہونے کی پہچان ہے...... یہ معیار تو عام ہے ہر ملک اور ہر دیار میں پایا جاتا ہے ہندوستان کے علاقوں میں سے کوئی علاقہ اس معیار سے خالی نہیں...... اگر ہم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات کو حق کا معیار قرار دیا تو پھر اس پر اس قدر شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟

بات میں بات نکلتی گئی اور قلم چلتا رہا اور بات واضح ہوتی چلی گئی کہ "اہلسنت و جماعت" جب بولا جاتا ہے تو اس سے اعتقادی مسائل مراد لیے جاتے ہیں ......اب اگر کوئی یہ کہتا ہے "مسلک اعلیٰ حضرت" "مسلک اہلسنت" کے مطابق ہے تو اس کے کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" اعتقادی مسائل میں "مسلک اہلسنت و جماعت" کے مطابق ہے......اس قول کی بنیاد پر شافعی بھی ہمارے ہیں۔ مالکی، حنبلی بھی ہمارے ہیں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ تمام مقلدین مسلک اعلیٰ حضرت کے دائرہ میں آتے ہیں۔۔۔

☆☆☆☆☆☆
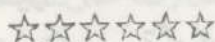
بابِ چہارم

علم عقیدہ وکلام کی تدوین

یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف "علم عقیدہ" ہی نہیں کسی بھی علم اور فن کی تدوین نہیں ہوئی تھی ...... اس کے مختلف وجوہات ہیں مثلاً

الف ...... صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف قربت اور صحبت بابرکت سے مشرف تھے ...... اور شب و روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں رہا کرتے تھے عقیدہ وایمان ...... عشق ووفا اور عمل وکردار کے تعلق سے ارشادات سنا کرتے تھے اور انہیں ارشادات کی روشنی میں اپنی حیات مستعار کو گزارا کرتے تھے جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس کے تعلق سے دریافت کرلیا کرتے تھے اس لیے انہیں کسی علم کے تدوین کی حاجت نہیں تھی۔

ب ...... اسلام کا ابتدائی دور تھا ...... ہر طرف سے اسلام کی مخالفتیں ہو رہی تھیں دفاع اور امور جہاد کے انجام دینے میں صحابہ کرام مشغول تھے ...... کہیں غزوہ اور کہیں سرایا اور کہیں تبلیغ اسلام کا کام چل رہا تھا ...... انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ کچھ لکھیں، پڑھیں اور کسی علم کی تدوین میں مشغول رہیں ...... یہ بات سب کو معلوم ہے کہ لکھنے اور پڑھنے کا کام فرصت کا کام ہوا کرتا ہے اس کے لیے ذہن کی یکسوئی کا ہونا ضروری ہوا کرتا ہے اور پھر علم وفن کا کام تو مزید سکون اور قلب وذہن کی طمانیت کا متقاضی ہوا

کرتا ہے اور یہ چیزیں اس دور میں میسر نہیں تھیں...... اسی لیے عہد رسالت میں اس کی گنجائش نہیں تھی......

ج...... جب صحابہ کرام نے کتابت کے تعلق سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب فرمائی تو آپ نے منع فرما دیا...... یہ طلب اجازت کتابت احادیث سے متعلق تھا...... اس کے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں احادیث کا التباس قرآنی آیات سے نہ ہو جائے...... اس لیے اس دور میں اس جانب صحابہ کرام کی کوئی توجہ نہ رہی ......

د...... کتابت کی ضرورت وہاں محسوس ہوا کرتی ہے...... جہاں کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوا کرتا ہے اور جہاں یہ اندیشہ نہیں ہوتا ہے وہاں کوئی بھی چیز نہیں لکھی جاتی ہے...... یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے...... اس بات میں کوئی شک نہیں...... اہل عرب کا حافظہ بہت زیادہ پختہ ہوا کرتا تھا جو بات ایک بار سن لیتے وہ انھیں حفظ ہو جاتی...... اور پوری زندگی یاد رہا کرتی تھی ...... عرب کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ انہیں اپنا ''شجرۂ نسب'' تک یاد رہا کرتا تھا اور زبانی طور پر بتا دیا کرتے تھے کہ ہم کس خاندان سے ہیں؟ اور ہمارا شجرۂ نسب کیا ہے؟...... اس طرح کی کامل ذہنیت اور پختہ حافظہ عربوں کے علاوہ کسی اور علاقہ میں رہنے والے افراد میں نہیں پایا جاتا تھا...... اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے یہاں کسی چیز کے تعلق سے لکھنے اور لکھانے کی روایت کا نہ پایا جانا ان کا عیب نہیں تھا بلکہ ان کی خوبی اور کمال تھا...... کہ انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی...... کسی چیز کی ضرورت ہوتے ہوئے اس چیز کا نہ پایا جانا عیب ہوا کرتا ہے اور ضرورت کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا نہ پایا جانا کمال ہوا کرتا ہے......

جہاں تک اسلام کی بات ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے علم و قرأت اور کتابت کو اہمیت دی ہے اور اس طرف لوگوں کی توجہات کو مبذول کرانے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور لوگوں میں اس کی ترغیب اور شوق بھی پیدا کیا ہے......

☆...... سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ قرأت سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (سورہ علق پارہ ۳۰)

ترجمہ...... پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ (کنزالایمان ص ۴-۸۰۵)

دیکھئے اس آیت پاک میں اللہ تعالی نے "پڑھنے" کا حکم دیا اور قلم سے سکھانے کا ذکر فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام پڑھنے اور قلم سے لکھنے کو پسند فرماتا ہے اور لوگوں میں اس کے شوق کو بیدار کرتا ہے...... اور ظاہری بات ہے جو علم والا ہوتا ہے اس کی شان ہی نرالی ہوا کرتی ہے اس کی عظمت کو سارا جہاں جانتا ہے...... اسلام نے بھی اس کی شان کو برقرار رکھا ہے...... پڑھے لکھے انسانوں اور بے پڑھے لکھے افراد کے مابین فرق وامتیاز کو باقی رکھا ہے جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (س الزمر، رکوع ۹)

ترجمہ...... تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (کنزالایمان ص ۶۱۹)

قرآن مقدس کا اسلوب بتاتا ہے کہ جو جانتے ہیں انجان لوگ ان کے برابر نہیں ہیں بلکہ جاننے والے ان کی شان بڑی ہے اور وہی عقل والے ہیں اور نصیحت کو ماننے والے...... کیا یہ آیت اس بات کی ترغیب نہیں دیتی ہے کہ علم سیکھو اور اسے پڑھنے کی کوشش کرو...... کہ علم والوں کا مرتبہ بلند ہوا کرتا ہے اور اس قدر بلند ہوا کرتا ہے کہ اس کی بلندی کو کوئی بے پڑھا لکھا نہیں پہونچ سکتا ہے...... جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہوتا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ O (س مجادلہ رکوع ۱۱)

ترجمہ...... اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنز الایمان ص ۷۳۳)

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے...... اللہ تعالیٰ نے ایمان اور علم والوں کو درجوں بلندی دی ہے...... معلوم ہونا چاہیے کہ درجہ کیا ہوتا ہے اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ کے مابین کتنا فاصلہ ہوا کرتا ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت امام غزالی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں......

قال ابن عباس رضی الله تعالى عنهما وللعلماء درجات فوق المومنين بسبع مائة درجة مابين الدرجتين مسيرة خمس مائة عام.

(احیاء العلوم، ج ۱۱/۱)

ترجمہ...... ایک عام مومن پر عالم کو سات ہزار درجوں کی بلندی حاصل ہے اور دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کی دوری ہوا کرتی ہے الخ

اللہ اکبر! علم والوں کو کس قدر بلندی حاصل ہے؟ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے ...... علم والوں کے لیے اس بلندی کا تصور جس طرح اسلام نے پیش کیا ہے...... دنیا کی کسی قوم اور کسی تہذیب نے پیش نہیں کیا ہے...... علم و قرأت اور کتابت کے تعلق سے بہر حال اسلام کا تصور منفرد ہے...... ممتاز ہے...... اور ہر ایک تصور سے یگانہ ہے...... دنیا اور اس کی لذتوں میں انہماک...... بہر حال نفرت کے لائق ہے اور یہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ اس کی طرف کسی کا دھیان جائے...... مگر اس دنیا میں جو علم پایا جاتا ہے اور اس سے جس قدر چیزیں متعلق ہیں...... ان میں دلچسپی لینا نہ صرف لائق تحسین ہے بلکہ اس سے بھی ماسوا ہے...... اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کسی چیز کے لیے طلب زیادت کا حکم نہیں دیا ہے مگر علم ایک ایسا انمول

اور بیش بہا جوہر نایاب ہے کہ اللہ پاک نے اس کے تعلق سے اپنے نبی کو فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ (س طٰہٰ، رکوع ۱۴)

ترجمہ...... اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے...... (کنز الایمان، ص ۴۳۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علم کے تعلق سے بہت کچھ فرمایا ہے اس سلسلہ میں صرف قولی حدیث ہی نہیں ہے...... بلکہ آپ نے عملی طور پر بھی اس بارے میں بہت کچھ فرمایا ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ بھی اس بات کو پسند کرتے تھے کہ میری امت کے افراد علم پڑھیں...... سیکھیں اور اسے لکھیں بھی...... ذیل میں اسی طرح کے کچھ شواہد پیش کیے جا رہے ہیں......

☆ ......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

کہ ہر مسلمان پر علم طلب کرنا فرض ہے...... یہ حدیث بڑی معتبر حدیث ہے اور عام مسلمانوں کی زبان زد ہے...... اسے مختلف صحابہ نے بیان کیا ہے حضرت انس ...... ابن مسعود...... ابن عباس...... ابوسعید خدری...... ابن عمر...... علی بن ابی طالب اور جابر نے بھی اسے روایت کی ہے...... اس لیے یہ حدیث رتبہ حسن پر فائز ہے

قال المزی ان طرقہ تبلغ بہ رتبة الحسن

امام مزی نے کہا اس کا مختلف سندوں سے بیان کیا جاتا اس کے رتبہ حسن کے پہنچنے پر دلالت کرتا ہے...... کیا یہ حدیث اس بات کی شہادت نہیں دے رہی ہے کہ اسلام دربارۂ علم اپنی خوش گواری اور کشادہ قلبی کی مثال پیش کر رہا ہے...... اب اگر کوئی انسان اس علم کے تعلق سے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی عصبیت اور کور باطنی کا نمایاں اثر ہے......

☆ ......ایک اور موقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا ہے جو علم کی تلاش

میں نکلتا ہے اس کی بڑی عظمت ہے حضرت جبرئیل اس کی راہ میں اپنے پروں کو بچھاتے ہوئے چلا کرتے ہیں...... اللہ تعالی ایسوں کے لیے سہولتیں فراہم کردیتا ہے...... جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله به طريقاً الى الجنة۔

جب کوئی علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت کے راستہ کو فراہم کردیتا ہے اس حدیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے......

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت سے منع فرمایا ہے مگر اس کی کچھ وجوہات بھی رہی ہیں...... گزشتہ اوراق میں اس بارے میں کافی تفصیل بتادی گئی ہے...... حالاں کہ اسے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ...... ہاں! یہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ یہاں کچھ ایسے شواہد بیان کیے جائیں جن میں کتابت کے تعلق سے صریح طور پر اجازت پائی جاتی ہے......

ش...... الف۔ جنگ بدر میں جو لوگ قیدی بنائے گئے...... ان کے لیے حکم ہوا کہ ہر ایک قیدی ۴۰/اوقیہ چاندی بطور فدیہ ادا کردیں اور اپنی آزادی حاصل کرلیں اور جو ادا نہیں کرسکتے ہیں وہ مسلمان کے دس بچوں کو لکھنا سکھادیں...... حضرت زید بن ثابت انہیں بچوں میں ہیں جنہیں بدری قیدیوں نے لکھنا سکھایا تھا...... اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو لکھنا سکھانے کے لیے عملی طور پر کوشش کی ہے...... اوقیہ یہ وہ وزن ہے جس کا رواج آپ کے زمانہ اقدس میں پایا جاتا تھا...... ایک اوقیہ ۴۰ر درھم کے برابر ہوا کرتا تھا اور ۴۰ر اوقیہ ۱۶۰۰ درہموں کے برابر ہوئے اور جدید وزن کیلوگرام کے اعتبار سے

ایک درہم برابر ۲ء۹۷۵ کے (۲ گرام ۹۷۵ ر ملی گرام)

ایک اوقیہ برابر ۴۰ ر دراہم برابر (۱۱۹ ر گرام)

• ۴۰ر اوقیہ برابر ۱۶۰۰ ر درا ہم برابر (760.4=975×1600.2)

یعنی ۴ر کیلو ۷۶۰ر گرام چاندی...... جیسا کہ علامہ مقریزی فرماتے ہیں:

۶/... والاوقیة ، تساوی اربعون درهماً

=۲،۹۷۵×۴۰=۱۱۹

والدرهم یساوی ۲،۹۷۵ کیلو گرام

ش...... ب۔ قرآن مقدس کی جو آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں انہیں لکھنے کے لیے آپ نے بہت سے کاتبوں کو مقرر فرما دیا تھا...... انہیں کاتبوں میں حضرت امیر معاویہ بھی تھے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خود کتابت کو پسند فرمایا کرتے تھے...... اب ذیل میں کچھ ایسی حدیثیں پیش کی جارہی ہیں جن میں کتابت کا صریح انداز میں حکم دیا گیا ہے

...عن الشفاء بن عبد الله انها قالت دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا عند حفصة فقال لی الا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة....

(ابو داؤد شریف کتاب الطب باب الرقی، ص ۴۲۶)

ترجمہ...... شفا بنت عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جب میں حضرت حفصہ کے پاس موجود تھی...... سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں ''نملہ'' کی تعویز کیوں نہیں سکھاتی جیسا کہ تم نے اس کا لکھنا سیکھا۔ نملہ ان پھنسیوں کو کہا جاتا ہے جن میں زبردست سوزش ہوتی ہے اور اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے:

...عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال: کنت اکتب کل شئی اسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش وقالوا تکتب کل شئی

سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر يتكلم في الغضب والرضا؟فامسكت عن الكتاب فذكرت ذالك لرسول الله صلى الله ذالك فاوما الى فيه وقال والذى فى نفسى بيده ماخرج منه الا الحق.

(ابو داؤد شریف كتاب العلم باب كتابة العلم ص ۲۰۳)

ترجمہ...... عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا...... ان سب کو لکھ لیا کرتا تھا اور میرا مقصد اس کے لکھنے سے اسے یاد کرنا تھا...... اہل قریش نے مجھے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے روک دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں کبھی غیض وغضب میں تکلم فرماتے ہیں اور کبھی خوشی کی حالت میں، میں نے ان کی باتیں سن کر لکھنا بند کر دیا...... اس کے بعد میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنی زبان مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: قسم ہے اس ذات گرامی کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ میری زبان سے نہیں نکلتا ہے مگر حق ہی نکلتا ہے الخ

ان مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابت کو پسند فرمایا کرتے تھے اور جس مقام پر کتابت سے منع فرمایا وہ کسی مصلحت پر مبنی تھا یا پھر کسی اندیشہ کے تحت لکھنے سے منع فرمایا تھا...... منع کرنے کے جو اسباب ہو سکتے تھے اس باب کے شروع میں ذکر کر دیئے گئے ہیں اور جب وہ اندیشے ختم ہو گئے تو عام طور پر احادیث کے لکھنے کی اجازت ہو گئی اور صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کرنا شروع کر دیا...... صحابہ کرام کے جمع کیے گئے احادیث کے مجموعہ کو ''صحائف الصحابۃ'' کہا جاتا ہے مثلاً

...... صحیفہ علی بن ابی طالب

- ... صحیفہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص
- ... صحیفہ عمرو بن حزم
- ... صحیفہ جابر بن عبد اللہ
- ... صحیفہ ابی ھریرہ
- ... صحیفہ سمرہ بن جندب وغیرھن

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری رہا...... ایسا نہیں ہے کہ صرف مدینہ پاک اور مکہ مکرمہ ہی میں اس کا سلسلہ جاری تھا بلکہ تاریخ بتاتی ہے یہ سلسلہ دوسرے شہروں میں بھی جاری تھا...... اور غیر منظم صورت میں جمع وتدوین کا سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ یہ فن بھی ترقی کی راہوں کو طے کرتا رہا...... خلفاء اربعہ کے زمانوں میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اور فن کتابت فروغ پاتا رہا ...... اور احادیث کی تدوین کا کام یوں ہی جاری رہا...... جب کوئی سلسلہ چل جاتا ہے تو بند نہیں ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ کبھی اس کی تیز رفتاری اور تیز ہو جاتی ہے اور کبھی مدھم پڑ جاتی ہے......

عملی تدوین وکتابت اور عمر بن عبد العزیز کا دور حکومت:

حضرت عمر بن عبد العزیز وہ امیر المومنین تھے...... جن کے دور حکومت میں انصاف تھا اور عدل قائم تھا...... اور ان کی خلافت، خلافت راشدہ کے نہج پر چل رہی تھی ...... اس دور میں سب کو انصاف ملا...... کوئی کسی سے دُکھی نہیں تھا...... ظالم کا پنجہ توڑ دیا جاتا تھا اور مظلوم کو انصاف دلایا جاتا تھا...... حد تو یہ ہے کہ شیر اور بکری دونوں ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا کرتے تھے...... شیر کو اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ بکری پر حملہ کرے اور بکری کو بھی شیر کے کسی حملہ کا خوف نہیں ...... انہیں کے دور حکومت میں ''جمع وتدوین اور کتابت وقرأت'' کے عملی کاموں کی شروعات ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دل میں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں علما کے چلے جانے اور محدثین کے اُٹھ جانے سے ان کے سینوں

میں محفوظ احادیث کا سرمایہ نہ چلا جائے ...... اور یہ سرمایہ ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے اس لیے اس کی جمع وتدوین کی جانب اپنی توجہ مبذول کی اور اس کی نشر واشاعت کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

و کتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولتفشوا العلم ولتجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا۔

(بخاری شریف ۱/۵۲ کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

ترجمہ...... عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک جہاں ملے اسے لکھ لو...... مجھے علما کے اُٹھ جانے کے سبب علم کے چلے جانے کا اندیشہ ہو رہا ہے۔ مت قبول کرنا مگر صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو...... علم پھیلاؤ اور مجلسیں قائم کرو اور جو نہیں جانتا ہے انہیں سکھاؤ یہاں تک کہ علم نہ ختم ہو جائے اور وہ محفوظ ہو کر رہ جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا حضرت ابوبکر بن حزم کو خط لکھنا اور اس خط میں اپنے مقصد کو واضح کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے تاریخ کے ایک سنہرے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی بخاری شریف کے حاشیہ میں ہے:

ان عمر بن عبدالعزیز کتب بذالک الی الآفاق یامرھم ان یجمعوا من العلماء الحفاظ فی نواحیھم ما یحملون من امانات السنۃ فیضبطوھا بالتدوین ولم یقتصر علی امرھم بالتدوین بل امر کذالک بعقد

حلقات العلم وجلوس العلماء للطلباء والجماهير فيحدثونهم بسنن الاسلام ليفشو العلم ويعلمها من لم يكن يعلمها۔ (حوالہ سابق صفحہ سابق)

ترجمہ...... حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہ صرف حضرت ابوبکر بن حزم ہی کو لکھا بلکہ انہوں نے اپنے اس فرمان کو اپنے حدود سلطنت میں جاری کر دیا اور سب کو حکم دے دیا کہ اپنے اپنے علاقہ کے علما اور حفاظ کو جمع کریں...... جن کے پاس احادیث کی امانتیں محفوظ ہیں...... اور ان احادیث کو جمع کر لیں...... امیر المومنین نے نہ صرف تدوین کا حکم جاری کیا ...... بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تاکید فرمائی کہ علمی حلقات اور عوام طلبا کے لیے مجلسیں قائم کی جائیں...... ان کے سامنے احادیث بیان کی جائیں تاکہ علم پھیلے اور جو افراد نہیں جانتے ہیں انہیں اس کی تعلیم دی جائے الخ۔۔۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں ''تدوین حدیث'' کی ابتدا ہو چکی تھی...... اس طرح علم حدیث کو پھیلنے اور پھولنے کا موقع ملا...... اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کام کی شروعات لوگ اپنے طور پر کیا کرتے ہیں ...... اس کے فروغ وارتقا میں کافی تاخیر ہوا کرتی ہے...... اور جب یہی کام کسی امیر و بادشاہ کے زیر اہتمام ہوا کرتا ہے...... تو بہت جلد وہ کام اپنے منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے...... حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تدوین حدیث میں دلچسپی لینے کے سبب بڑی تیزی کے ساتھ اس کا ارتقائی سفر جاری رہا...... حالانکہ ان کا دور حکومت بہت ہی مختصر تھا...... یعنی آپ نے ۲رسال ۵رماہ اور ۴ردن امور خلافت کو انجام دیا...... اور آپ کا وصال ۱۰۱ھ میں ہو گیا......

میرا مقصد اس مقام پر تدوین حدیث کی تاریخ و تشکیل اور اس کے فروغ وارتقا سے متعلق بحث کرنا نہیں ہے...... بلکہ میرا موضوع عقیدہ اعتقاد سے متعلق بحث کرنا ہے اور اس کی تاریخ وارتقا کا مختصر تعارف پیش کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ علم عقیدہ کیا ہے اور علم کلام

سے اس کا کیا تعلق رہا ہے؟اور دور حاضر میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے تعلق سے جو نظریہ پیش کیا جارہا ہے اس کی تاریخی اہمیت وانفرادیت کیا ہے؟ بایں وجہ اب ذیل میں پہلے عقیدہ کی تعریف پیش کی جارہی ہے...... اس کو پیش کرنے سے پہلے تمہیدی گفتگو کی جارہی ہے۔

تمہیدی کلام:

کسی کلام سے جب دل کا رشتہ جڑتا ہے......تو اسے اصطلاح منطق میں ''عقد'' کا نام دیا جاتا ہے اگر یہ عقدوربط جانبین یعنی اثبات وسلب اور وجود وعدم کے متساوی ہو......تو اسے ''شک'' کہا جاتا ہے اور جب یہی عقد ایک طرف راجح ہوتی ہے اور دوسری طرف مرجوح ہوتی ہے...... تو جانب راجح کو''ظن'' اور جانب مرجوح کو''وہم'' کہا جاتا ہے ......جب جانب راجح کا رشتہ مزید قوی ہوجاتا ہے تو اسے ''یقین'' کا نام دیا جاتا ہے پھر یقین کی دوصورت ہوا کرتی ہے......پہلی صورت یہ ہے کہ یقین اگر کسی امر خارج کے سبب متزلزل ہوجائے تو اس کا نام ''تقلید'' پڑجاتا ہے اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کسی کے متزلزل کرنے سے متزلزل نہ ہو تو اسی کو اعتقاد اور اعتقاد بالجزم کہا جاتا ہے...... عقیدہ میں یہی اعتقاد پایا جاتا ہے......

اس تمہید کے بعد عقیدہ کی مختلف انداز میں وضاحت کی جارہی ہے۔

عقیدہ لغت کے تناظر میں:

عقیدہ...... عقد سے ماخوذ ہے اور لغت میں یہ ''حل'' کی نقیض ہے یعنی کسی چیز کا نہایت ہی مضبوطی سے بندھ جانا ''عقد'' کہلاتا ہے اور اس کے کھل جانے کو''حل'' کہا جاتا ہے...... عقد الحبل ...... عقد البیع اور عقد الوفا میں یہی معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ توڑے سے بھی نہیں ٹوٹتا ہے اور جو شعوری یا غیر شعوری طور پر توڑ دیتا ہے وہ مجرم کہلاتا ہے اسی توڑنے کے سبب سماج ومعاشرہ میں اس کی شخصیت مجروح ہوجاتی ہے۔

عقیدہ شریعت کے تناظر میں:

شریعت کی اصطلاح میں اس کے دومعانی لیے جاتے ہیں:

اول معنی عام......دوم معنی خاص

عقیدہ کا معنی عام یہ ہے کہ انسان جس چیز کے تعلق سے جزم بالیقین کر لے اور دل سے اس کی تصدیق کر لے وہ حق ہو یا باطل......

عقیدہ کا معنی خاص یہ ہے انسان ضروریات دین اور امور اسلامیہ کا اعتقاد جازم رکھے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے محفوظ رکھے......یہی عقیدہ کا معنی خاص ہے اور اسی پر التزام رکھنا چاہیے......پہلی صدی ہجری میں حدیث وسنت میں جو صحائف لکھے گئے ان میں اعتقادی مسائل ضمنی طور پائے جاتے ہیں......اسی طرح صحاح ستہ میں بھی اعتقادی مسائل ضمناً پائے جاتے ہیں......مگر اس مقام پر بحث اس کے ضمنی مسائل سے نہیں ہے بلکہ اس بات سے ہے کہ علم عقیدہ میں مستقل طور پر کون کون سی کتابیں لکھی گئیں ہیں اور ان کتابوں میں کون سا اسلوب اپنا گیا ہے......مثال کے طور پر

☆......حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں آپ کی ولادت ہوتی ہے اور ۱۵۰ھ ہجری میں آپ کا وصال ہو جاتا ہے......اس طرح سے امام اعظم قرون ثلاثہ میں سے قرن ثانی سے تعلق رکھتے ہیں......علم اعتقاد میں آپ کی مشہور اور معرکۃ الآرا کتاب ہے جو ''الفقہ الاکبر'' سے موسوم ہے......اس میں جہاں اہل سنت کے عقائد ثابت کیے گئے ہیں......وہیں فرق باطلہ کا رد بھی کیا گیا ہے......اس کا اسلوب بڑا اچھا اسلوب ہے......اس میں قرآن مقدس کی آیتوں سے استدلال کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی دلائل پیش کیے گئے ہیں......اس دور میں یہی دو مصادر تھے قرآن مقدس اور احادیث پاک......اور دیگر اقوال صحابہ بھی درج کیے گئے ہیں

☆......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادیات میں مختلف رسائل تحریر کیے ان کا بھی ایک رسالہ ہے جو ''فقہ اکبر'' سے موسوم ہے......پھر یہ کہ انہوں نے طلبا سے وصیت کی ہے کہ کیا عقیدہ ہونا چاہیئے اور کیا نہیں ہونا چاہیئے آپ کا تعلق قرن ثانی سے ہے

☆......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اعتقاد میں مختلف رسائل تحریر کیے

ہیں ...... قرآن کا اللہ کے کلام ہونے اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے بارے میں تو ان کا واقعہ مشہور ہے لاکھ جبر واکراہ کے باوجود آپ اپنے موقف سے نہیں ہٹے اور اپنے موقف پر ہی ڈٹے رہے یہ مسئلہ بھی اعتقاد کا مسئلہ ہے

☆ ...... امام مالک کا اعتقاد بھی تینوں سابق اماموں جیسا تھا اور انہوں نے اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا......

صرف ائمہ اربعہ ہی نہیں بلکہ قرون ثلاثہ کے بہت سے عالی وقار اور شان وشوکت رکھنے والے افراد نے بھی علم عقیدہ پر کام کیا ہے ...... کہیں قرآن و حدیث سے اپنے عقیدوں کو ثابت کیا ہے اور کہیں اصحاب کرام کے اقوال زریں کو بطور سند پیش کیا ہے ...... اسی طرح اہل بدعت وضلالت اور ارباب اہواو ہوس کا رد بھی کیا ہے کیونکہ یہ رد بھی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے ...... اس بارے میں ان لوگوں کو غور وفکر سے کام لینا چاہیے جو رد پر قلم اٹھانے سے ڈرتے ہیں اور نہ جانے اپنے دلوں میں کس طرح کا خوف محسوس کرتے ہیں ...... قربان جایئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اس خاص پیشکش اور ان کی التفات پر کہ ان کی وجہ سے علم وشعور کا ایک زبردست سرمایہ اب ہماری نظروں کے سامنے ہے ...... ذیل میں ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جس سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ اعتقاد سے متعلق کس نے کیا لکھا؟ اور کب لکھا؟

نمبر شمار	اسمائے کتب ومصنف	تاریخ وفات
۱	سوالات لجماعه من الرهبان اجاب عليها علی بن ابی طالب روایة سلمان الفارسی	۴۰ھ
۲	الرد علی القدریه لحسن بن محمد ابن الحنیفة	۹۹ھ
۳	ما کتبه عمر بن عبد العزیز فی الرد علی غیلان	۱۰۱ھ
۴	الرد علی الرافضه لجعفر الصادق	۱۴۸ھ
۵	الرد علی الخوارج لجعفر الصادق	۱۴۸ھ

۲۵ ما کتبہ فی الرد علی من قال بخلق القرآن
یرویہا المروزی ۲۴۱ھ
۲۶ ما کتبہ فی الرد علی من قال بخلق القرآن
یرویہا المروزی عن الامام احمد ۲۴۱ھ
۲۷ رسالۃ فی الرد علی القائلین بخلق القرآن للامام احمد
ارسلہا الی محمد بن حمدون الانطاکی والی عیسیٰ الفتاح ۲۴۱ھ
۲۸ کتاب للامام احمد فی الرد علی القائلین بخلق القرآن
وارسلہ الفضل بن زیاد الی لاہل الطرسوس ۲۴۱ھ
۲۹ کتاب فی الرد علی من قال بخلق القرآن للامام احمد ۲۴۱ھ
۳۰ ما کتبہ الامام احمد جواباً لمن طلبہ ان یکتب
کتاباً فی الرد علی اہل البدع ۲۴۱ھ
۳۱ کتاب فی الاحتجاج علی من احتج بظاہر
القرآن وترک ما فسرہ الرسول ﷺ ۲۴۱ھ
۳۲ الرد علی الجہمیہ لمحمد بن اسلم الطوسی ۲۴۲ھ
۳۳ الاستقامۃ لخشیش بن اصرم ۲۵۳ھ
۳۴ الحجۃ علی النصاری لمحمد بن سحنون ۲۵۶ھ
۳۵ الرد علی البکریہ لمحمد بن سحنون ۲۵۶ھ
۳۶ الرد علی اہل البدع لمحمد بن سحنون ۲۵۶ھ
۳۷ الرد علی اللفظیہ لمحمد بن احمد بن جعفر
ابو حفص الصغیر ابو عبد اللہ البخاری الحنفی ۲۶۴ھ
۳۸ کتاب الاہواء والاختلاف او الرد علی اہل الاہواء
لمحمد بن احمد بن حفص بن الزبرقان ابو حفص

۵۴ / کتابوں کی فہرست آپ کے سامنے ہے ...... یہ کتابیں ......رسائل ...... مکتوبات صرف باطل نظریات کے رد میں لکھی گئیں ہیں...... اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے عام طور پر ۲ / طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے......

پہلا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے دعوی کو دلائل و براہین سے ثابت کیا کرتا ہے یہ طریقہ کبھی ضمنی طور پر اپنایا جاتا ہے جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں عقائد بیان کیے گئے ہیں اور کبھی مستقل طور پر اس طریقہ کو اپنایا جاتا ہے جیسا کہ اس بارے میں ہمارے اسلاف کی کچھ کتابیں ملتی ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ باطل نظریات جو کسی دعوی کے ثابت کرنے میں روڑے بنتے ہیں اس کا رد بلیغ کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر والی فہرست سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال یہ دونوں طریقے ہمارے علماء کے نزدیک معتبر ہیں...... موقع ومحل کے اعتبار سے ان دو طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اپنایا جا سکتا ہے...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان دونوں طریقوں کو اپنایا ہے...... انہوں نے ان طریقوں کو اپنا کر کوئی نیا کام نہیں کیا ہے بلکہ وہی کام کیا ہے جو پہلے ہی سے ہوتا رہا ہے...... انہوں نے جسے بھی کافر کہا ہے یا جس کو بدعتی اور گمراہ کہا ہے...... زبردستی نہیں کہا ہے بلکہ ان کے جو نظریات ہیں ان کی بنیاد پر کہا ہے تو پھر کیا وجہ ہے؟ کہ ان کے اس عمل پر آنکھیں لال پیلی کی جارہی ہیں...... کیا یہ کوئی نیا طریقہ ہے؟ نہیں! بلکہ اسلاف سے یہی طریقہ جاری وساری ہے وہ اپنی خیر منائیں جو اس طریقہ پر تنقیدیں کر رہے ہیں......

☆...... علم عقیدہ میں ایک نیا موڑ آتا ہے...... وہ نیا موڑ یہ ہے کہ مخالفین اہلسنت و جماعت نے عقائد حقہ کے رد کرنے میں منطقی انداز کا استعمال کیا اور یونانی حکمتوں کا سہارا لے کر اہل حق کو زیر کرنے کی مختلف صورتیں اپنانے لگے...... خاص کر معتزلہ اور اس کے اصحاب نے اس منطقی طرز استدلال کو اپنایا...... وہ علم عقائد جو دلائل قطعیہ پر مبنی تھا اور فلسفہ کی موشگافیوں سے مبرہ تھا اسی کو "علم عقائد" یا "کلام القدماء" کہا جاتا ہے اور جب اس میں منطقہ و فلسفہ کا امتزاج ہوا تو اسے "کلام المتاخرین" کہا گیا اور اسی "کلام المتأخرین" کا نام "علم کلام" پڑ گیا...... علم کلام علوم مدونہ میں سے ہے اور اس کا بھی فنون سے تعلق ہے علوم شرعیہ میں اسے اولیت کا درجہ حاصل ہے اور اس علم کلام کو مختلف

ناموں سے یاد کیا گیا۔

علم الکلام ...ویسمی باصول الدین ایضا ...وسماہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی بالفقہ الاکبر ...وفی مجمع السلوك ویسمی بعلم النظر والاستدلال ایضاً ویسمی ایضاً بعلم التوحید والصفات وفی شرح العقائد للتفتازانی العلم المتعلق بالاحکام الفرعیہ ای العملیہ یسمی علم الشرائع والاحکام وبالاحکام الاصلیہ ای الاعتقادیہ یسمی علم التوحید و الصفات ...وھو علم یقتدر معہ علی اثبات العقائد الدینیہ علی الغیر بایراد الحجج ودفع الشبہ۔ (کشاف العلوم والفنون ۲۹)

ترجمہ......علم کلام کا نام ''اصول دین'' بھی رکھا گیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی علم کلام کا نام ''فقہ اکبر'' رکھا ......مجمع السلوک میں اس کا نام "علم النظر والاستدلال" رکھا گیا اور اسی کو "علم التوحید والصفات" بھی کہا جاتا ہے اور علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اس کے تعلق سے لکھا......وہ علم جو احکام شرعیہ فرعیہ اور عملیہ سے متعلق ہو اسے "علم الشرائع والاحکام" کہا جاتا ہے اور جو علم احکام اصلیہ یعنی اعتقادیہ سے متعلق ہے اسے "علم التوحید والصفات" کہا جاتا ہے......علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ غیر پر دینی عقائد کے اثبات پر قدرت حاصل ہوتی ہے دلائل کو پیش کرنے اور شبہات کا رد کرنے سے......

علم کلام کا موضوع ......

وہ معلومات ہیں جن سے عقائد دینیہ کا اثبات متعلق ہوا کرتا ہے......یہ اثبات کبھی براہ راست ہوا کرتا ہے اور کبھی کچھ واسطوں سے ہوا کرتا ہے۔

اوراس کی غرض وغایت ایقان کی منزل کو روشن کرنا ہےاور ایسی معلومات فراہم کرنا جن کے ذریعہ دلائل قائم کیے جائیں اور معاندین پر الزام عائد کیا جاسکے...... تا کہ قواعد دین کی حفاظت کی جاسکے اور کسی بھی تزلزل اور شبہات سے اپنے دینی عقائد کو محفوظ رکھا جائے اور دارین کی سعادت حاصل کی جاسکے......

علم کلام کیسے وجود میں آیا؟

اس مقام پر علم کلام سے مراد متاخرین کا کلام ہے معتزلیوں نے فلسفہ کے دامن کو پکڑا اور اس کے ذریعہ اہل حق کے مسائل پر تنقیدیں شروع کردیں...... اور لوگوں کے درمیان اپنے مذہب کی اشاعت کرنے لگے...... اس طرح عام لوگ گمراہ ہورہے تھے ......اللہ تعالی کا بڑا کرم ہوا کہ انہیں میں سے ایک شخصیت سامنے آتی ہے......جس کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن اشعری ہے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے اپنے استاذ جبائی سے سوال کیا ......تین بھائیوں کا انتقال ہوا......ان میں سے ایک مطیع بن کر مرا اور دوسرا نافرمان ہوکر مرا ......اور تیسرے بھائی کا بچپنے میں انتقال ہوا......ان تینوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے......جبائی نے جواب دیا مطیع کو جنت میں مقام ملے گا اور نافرمان کو جہنم ملے گا......اور تیسرے کو نہ ثواب ملے گا اور نہ ہی عذاب......اشعری نے کہا اگر تیسرا خدا کی بارگاہ میں یہ عرض کرے کہ اے بارالہ......تو نے مجھے بچپنے میں کیوں موت دی؟ اور بڑا ہونے کا موقع کیوں نہیں دیا؟ میں بڑا ہوتا تیری اطاعت کرتا اور نیکیاں کرتا تا کہ مجھے بھی جنت نصیب ہوجاتی ......تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں کیا فرمائے گا......جبائی نے کہا اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا......اے بندہ اگر تو بڑا ہوتا تو تو نیکیاں نہیں کرتا بلکہ گناہوں میں ملوث ہوجاتا اور تجھے جنت کے بجائے جہنم ملتا اس لیے میں نے تجھے بچپنے کی حالت میں موت دی...... پھر اشعری نے کہا اے استاد اگر دوسرا جو نافرمان ہوکر مرا اگر وہ عرض کرے گا، اے میرے اللہ......تو نے ہمیں طفولیت میں کیوں نہیں موت دی؟ کہ میں نہ بڑا ہوتا نہ تیری نافرمانی کرتا اور نہ جہنم کے عذاب کا مستحق ہوتا......تو اللہ تعالی اس کے جواب میں کیا فرمائے گا

......اس سوال پر جبائی خاموش ہوگیا اور اس سے جواب نہیں بن سکا...... جبائی خود معتزلی تھا اور اشعری ان کے شاگرد تھے...... کہا جاتا ہے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے معتزلی جس فلسفہ کا شیدائی تھا اسی فلسفہ نے اسے مبہوت کردیا...... حضرت اشعری نے اس کے مذہب کو ترک کردیا......

اب اشعری اسی حکمت وفلسفہ کے ذریعہ معتزلہ کے مذہب کے بطلان اور حدیث و سنت میں پیش کیے گئے عقائد کے اثبات میں مشغول ہو گئے۔

بس اسی منزل سے علم کلام کی شروعات ہوتی ہے ......اس علم کلام کے دو امام مانے گئے ہیں اور انہیں دونوں اماموں کے متبعین کو"اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔

ابوالمنصور ماتریدی:

نام محمد بن محمد بن محمود۔ کنیت ابومنصور نسبتی نام ماتریدی ہے...... اور آپ اسی نسبتی نام سے مشہور ہیں...... جائے پیدائش "ماترید" ہے جو سمرقند کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے اور اسی شہر ماترید کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ماتریدی کا جاتا ہے......سن ولادت کیا ہے اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ان کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے...... قرین قیاس یہی ہے کہ ۲۳۸ ہجری میں پیدا ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے شیوخ میں سے ایک محمد مقاتل رازی کی سن وفات ۲۴۸ ہجری ہے اور دوسرے شیخ نصیر بن یحیی البلخی کا وصال ۲۶۸ ہجری ہے ظاہری بات ہے کہ استاذ کی تاریخ وفات سے پہلے ہی پیدائش ہوئی ہوگی اور اس قدر پہلے ہوئی ہوگی کہ شرف تلمذ کا امکان رہا ہو شرف تلمذ کے اس امکان کے پیش نظر کم از کم دس سال پہلے پیدا ہوئے ہوں گے...... انہیں مندرجہ ذیل القاب سے یاد کیا جاتا ہے

☆...امام الھدیٰ

☆...امام المتکلمین

☆...رئیس اھل سنت

☆...الامام الزاهد

ابوالمنصور بڑے زبردست عالم تھے اور فکر اسلامی کی تاریخ میں ان کو بلند مرتبہ حاصل تھا...... مضبوط دلیل والے تھے...... مناظرہ میں کمال کا درجہ رکھتے تھے...... انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کی...... اور شکوک وشبہات سے اسے بچائے رکھا...... انہوں نے معتزلہ اور تمام اہل بدعات کا رد بلیغ کیا...... ان کا علم بحر ذخار کی مانند تھا...... آپ کو جو اصول وفروع میں کمال حاصل تھا...... ان کے نظریات کے حامل بہت سے لوگ کل بھی تھے اور آج بھی ہیں اور آئندہ کل بھی رہیں گے...... انہیں میں سے چند کا ذکر کیا جارہا ہے

الف...ابو البسر البزدوی

محمد بن محمد بن الحسین بن عبد الکریم بن موسیٰ بن مجاهد البزدوی (۴۲۱-۴۹۳) فی بخاری

آپ اپنے دور کے ماتریدی عقائد کے زبردست امام اور متکلم گزرے ہیں۔

ب...ابو المعین النسفی

میمون بن محمد بن معتمد بن محمد بن محمد بن مکحول بن ابی الفضل ابو المعین النسفی المکحولی (۴۳۸......۵۰۸)

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جو اپنے اپنے مقام پر اہمیت کی حامل ہیں انہیں کتابوں سے چند کا ذکر کیا جارہا ہے:

☆...تبصرة الادله

☆...بحر الکلام

☆...التمهيد

☆...شرح جامع الاصول

☆...مناهج الائمه

☆...ایضاح المحجة لکون العقل حجة

ج...نجم الدین

عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن لقمان الحنفی النسفی السمرقندی (۴۶۱......۵۳۷)

☆...مجمع العلوم

☆...التیسیر فی التفسیر

☆...شرح صحیح البخاری المسمیٰ النجاح فی شرح کتاب الاخبار الصحیح

☆...نجم الجامع الصغیر للشیبانی فی فروع الفقة الحنفی

☆...الاکمل والاطول فی التفسیروهویعد من اهم المتون فی العقیدة الماتریدیة

☆...العقائد النسفیه

عقائد نسفی مشہور و معروف کتاب ہے......اور نہایت ہی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور اغیار نے بھی اپنے مدارس میں داخل نصاب کیا ہے ...... جو متن عقائد نسفی سے مشہور ہے اسی کی ایک شرح "شرح العقائد" بھی ہے...... متن عقائد نسفی کی ۷ ر شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور اس کی شرح "شرح العقائد" بھی بہت اہم شرح ہے اس پر ۳۲ ر حواشی لکھے جا چکے ہیں......ان میں سے ایک "حاشیہ خیالی" بھی ہے اسی پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حاشیہ لکھا ہے، جو حاشیہ برحاشیہ خیالی کے نام سے مشہور ہے۔

ہندوستان بھی علم وفن کے معاملے میں دنیا کے کسی ملک سے کم نہیں ہے۔ یہاں ہر زمانے میں بڑے بڑے صاحبِ علم وفن پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو کئی مجلدات تیار ہو جائیں۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے کون واقف نہیں ان کی ذات مختلف خوبیوں اور کمالات کی جامع تھی......ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ بہترین متکلم تھے اور ماتریدی عقائد کے سراپا ترجمان تھے......ان کی اس ترجمانی پر ان کی تصنیف "المعتقد المنتقد" شاہد ہے جو ان کی اس خوبی کو جاننا چاہتا ہے اس کتاب کا مطالعہ کرلے۔

دوسرا سب سے بڑا متکلم امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات گرامی ہے ماتریدی عقائد میں ان کا اہم حاشیہ اسی "المعتقد المنتقد" پر لکھا ہوا ہے جو "المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد" سے موسوم ہے یہ حاشیہ واقعی ''علم کلام'' کا جیتا جاگتا ثبوت ہے جو بھی اس کا مطالعہ کرتا ہے اس کی تحقیقات سے دانتوں تلے انگلیاں دبالیتا ہے اور ان کی علمی فکری شخصیت کو اپنا خراجِ عقیدت پیش کیے بنا نہیں رہ سکتا......

شیخ ابوالحسن اشعری:

اگرچہ شروع شروع میں جبائی کی صحبت میں رہے یہ جبائی وہی ہے جو معتزلی تھا مگر شیخ اشعری نے کچھ ایسے سوالات کیے کہ جبائی جواب نہ دے سکا اور وہ مبہوت سا ہو کر رہ گیا ......اس کے مبہوت ہوتے ہی شیخ ابوالحسن اشعری نے ان کے مذہب کو ترک کردیا اور پھر معتزلی عقائد ونظریات کے رد وابطال میں مشغول ہو گئے اور اس کے ساتھ ساتھ ان عقائد کے اثبات میں کوشش کرنے لگے جو قرآن واحادیث میں وارد ہوئے ہیں......

کنیت ابوالحسن ہے اور نام علی بن اسماعیل ہے اور سلسلہ نسب صحابی رسول ابوموسیٰ اشعری سے جاملتا ہے اور اشعری نسبتی نام ہے......اشعر یمن کا مشہور قبیلہ ہے......۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے بغداد میں سکونت اختیار کرلی اور ۳۲۴ھ میں وصال ہوا۔

تصنیفات درج ذیل ہیں:

☆...مقالات الاسلامیینو اختلاف المصلین

☆...اللمع فی رد اهل الزیغ والبدع

☆...الابانة عن اصول الديانة

☆...استحسان الخوض فی علم الکلام

☆...اللمع الكبير

☆...اللمع الصغير

اشعری عقائد کے حامل علما:

☆...ابو بکر الباقلانی (۴۰۳ھ)

☆...ابو الحسن الآمدی (۶۳۱ھ)

☆...الامام الجوینی والد امام الحرمین (۴۷۸ھ)

☆...ابو حامد الغزالی (۵۰۵ھ)

☆...عبد الكريم شهرستانی (۴۶۷ھ......۵۴۸ھ)

☆...ابن فورك (۴۰۶ھ)

☆...صاحب تفسیر بیضاوی (۷۰۱ھ)

☆...الشريف الجرجانی (۸۱۶ھ)

یہ وہ امام ومقتدا ہیں......جن کی تحقیقات کو اہل زمانہ نے سراہا ہے اور اسے یقین کی حد تک مانا ہے اور ان کی اتباع کو اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے......شافعی اپنے آپ کو اشعری کہا کرتے ہیں......مالکی اور حنبلی بھی خود کو اشعری لکھا کرتے ہیں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جو ان دو اماموں میں کسی ایک کی اتباع کرتا ہے وہ ''اہلسنت وجماعت'' ہے اور اسی کو ''سنی'' کہا جاتا ہے......اور جو ان کی اتباع نہیں کرتا ہے وہ اہل سنت سے نہیں ہے......بلکہ وہ اہل بدعت سے ہے اور گمراہ فرقوں میں سے ہے۔۔ ''حضرت ابو المنصور ماتریدی'' اور ''شیخ ابو الحسن اشعری'' کو امام ومقتدا اور ''اہلسنت وجماعت'' کا پیشوا ہم نے یا آپ نے نہیں بنایا ہے......بلکہ ''سواد اعظم'' نے انہیں تسلیم کیا ہے......اور اللہ پاک نے ان دونوں کی ذواتِ مقدسہ میں وہ صلاحیتیں اور قابلیتیں ودیعت فرمائی ہیں جو ایک قائد اور امام کے لیے

ضروری تھیں۔ خدائے پاک جنہیں بڑھاتا ہے انہیں ان کے منصب سے کون اتار سکتا ہے؟ اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اعتقادیات میں ''مسلک اہل سنت'' کے عین مطابق ہے اور اس کے مترادف ہے...... جس طرح شافعی مالکی اور حنبلی ''اہلسنت وجماعت'' میں ہیں ٹھیک اسی طرح مالکی حنبلی اور شافعی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے زمرہ میں شامل ہیں...... اگرچہ یہ حضرات اشعری ہیں...... اس کے باوجود وہ ہمارے ہیں۔۔ اور ہمارے ہی رہیں گے......

ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔۔

دورِ حاضر میں عوام وخواص کے درمیان جو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' بولا اور سمجھا جاتا ہے، اصل میں وہ کس کے مطابق ہے؟ مسلک اہلسنت وجماعت'' کے یا پھر وہ مذہب امام اعظم کے موافق ہے؟...... یہ بات تو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اہلِ سنت وجماعت'' کے عین مطابق ہے...... ہوسکتا ہے کوئی اس بات پر اعتراض کرے کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ اہلسنت وجماعت کے دو امام ہے۔۔

(۱)...... حضرت ابوالمنصور ماتریدی اور (۲)...... شیخ ابوالحسن اشعری

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ابوالمنصور ماتریدی کے عقائد وخیالات اور نظریات کے عین مطابق ہے...... ابوالحسن اشعری کے عین مطابق نہیں ہے۔۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے معترض بڑا بھولا ہے اور سیدھا سادہ ہے اسی لیے وہ اس قسم کی بات کررہا ہے کاش وہ کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو اس قسم کی باتیں نہیں کرتا جواب کررہا ہے شاید اسے یہ بات معلوم نہیں کہ ہر علم اور ہر فن کا ایک موضوع ہوا کرتا ہے کسی بھی فن میں براہ راست بعینہ موضوع سے بحث نہیں کی جاتی ہے اور فن کار ایسا کر بھی نہیں سکتا ہے کہ بعینہ موضوع منجمد ہوا کرتا ہے اس میں کوئی سیمابی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے چونکہ فنکار موضوع کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے اگر وہ اسی منجمد موضوع کو لے کر بحث شروع کردے تو فنکار ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا ہے اس لیے فن کاران تمام راستوں کو ڈھونڈ

کر نکال لیتا ہے جو انہیں موضوع تک لے جاتا ہے اور ظاہر سی بات ہے وہ اس فن کے مسائل ہی یا پھر اس کے ذاتی صفات ہوا کرتے ہیں یا پھر اس بات سے بحث کرتا ہے اور اس کے عارضی احوال کو بھی بحث کی میز پر رکھا کرتا ہے مبادیات بھی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے فنکار انہیں بھی اپنے زیر بحث لاتا ہے...... اس لیے مطابقت بھی مختلف انداز میں پائی جاتی ہے......

الف...... ایسی مطابقت جو دلالت مطابقی کے ضمن میں پائی جاتی ہے...... جیسے انسان کی دلالت حیوان ناطق پر ہوا کرتی ہے

ب...... ایسی مطابقت جو دلالت تضمنی کے ضمن میں پائی جاتی ہے جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر ہوا کرتی ہے۔

ج...... اسی طرح کسی لفظ کی مطابقت اس سے بھی ہوا کرتی ہے جب اس کی دلالت اس کے لوازم پر ہوا کرتی ہے جیسے کوئی انسان بول کر اس کی قابلیت مراد لے

بس اسی طرح کی مطابقت مسئلہ دائرہ میں پائی جاتی ہے جب ہم "مسلک اعلیٰ حضرت" بولتے ہیں اور اس سے مراد "مسلک اہل سنت" لیتے ہیں تو یہ مطابقت نوعی ہے اور جب اس سے مراد "عقائد ماتریدی" مراد لیں گے تو یہ مطابقت وہ ہے جو دلالت مطابقی میں پائی جاتی ہے اور جب اس سے مراد "اصول اعتقاد" لیتے ہیں تو یہ مطابقت تضمنی دلالت والی ہے کہ ماتریدی اور اشعری اصول میں متفق ہیں اور اس سے فروع میں اختلاف مراد لیں تو یہ مطابقت التزامی دلالت والی ہوگی...... لھذا اس توضیح سے معترض کا اعتراض جاتا رہا اور اہلسنت سے اس کی مطابقت ثابت ہوگئی......

امام احمد رضا فاضل بریلوی "علم عقائد اور علم کلام دونوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اگر میں یہ کہوں کہ ان دونوں علوم میں انہیں دور حاضر میں "امام" کا درجہ حاصل تھا تو یہ کوئی غلط بات نہیں ہوگی کہ اس علمی انحطاط اور فنی زوال میں بھی انہوں نے علم عقائد اور علم کلام پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم ص ۴۸، ۴۹، ۵۰

رمیں ہے۔۔

تصانیف باعتبار فن علم عقائد:

احکام شرعیہ جن کا تعلق ذات وصفات باری تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیائے کرام وملائکہ وقرآن شریف وغیرہ سے ہو اس علم کو ''علم عقائد'' کہتے ہیں۔

(۱)......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ۱۲۹۷ھ میں شیخین کی فضیلت وعظمت پر ایک مبسوط کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''مطلع القمرین فی ابانۃ العمرین'' ہے۔

(۲)......جب ہندوستان کے باطل فرقوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اسی طرح سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آل واصحاب کے بارے میں زبان درازیاں کی گئیں تو امام اہلسنت نے اس باب میں اہل سنت کے اعتقاد کی وضاحت فرمائی جو نہایت ہی معرکۃ الآرا کتاب ہے اور اس کا نام ''اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والاٰل والاصحاب'' رکھا اس کی سن تالیف ۱۲۹۷ھ ہے۔

(۳)......حضرت امیر معاویہ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے والوں کا رد بلیغ فرماتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت نے ایک اہم کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ''البشریٰ العاجلۃ من تحف الآجلہ'' رکھا اس کی سن تصنیف ۱۳۰۰ھ ہے۔

(۴)......مردے دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں اور اللہ والے بعد وصال اپنے فیوض وبرکات سے نوازتے بھی ہیں اسی لیے حضرت خواجہ اجمیری کو ''غریب نواز'' کہا جاتا ہے مگر وہابیہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو مر کر مٹی میں مل گئے......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کے ثبوت میں ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام ''حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات'' ہے اور اس کی سن تالیف ۱۳۰۵ھ ہے۔ بڑی عمدہ کتاب ہے اور دلائل وبراہین سے مزین ہے اسی کتاب کی تلخیص کرکے ''مفتی عبید الرحمٰن صاحب قبلہ'' نے ''مردے سنتے ہیں'' کے نام سے کتاب شائع کی ہے۔

(۵)......اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاے سابقین میں افضل واعلیٰ ہیں اور سب کے سردار ہیں مگر کچھ ایسے بھی ناہنجار افراد ہیں جو اس بات سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذرۂ کمترین سے زیادہ نہیں ہے...... پتہ نہیں ایسوں کی کھوپڑی میں کیا بھڑا پڑا ہے؟ جو اس طرح کی گھنونی باتیں کرتے ہیں......اعلیٰ حضرت کو کب گوارا تھا کہ کوئی ان کے محبوب کی شان میں اس طرح کی بات کرے......انہوں نے اس بارے میں ۳۰۰/احادیث پیش کیں اور پھر ان سے اپنے محبوب کی عظمت وفضیلت کو ثابت کیا اس مجموعہ احادیث کا نام "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" رکھا گیا اور سن تالیف ۱۳۰۵ھ ہے

(۶)......وہابیہ کا عقیدہ ہے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے جب کہ اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بے عیب ہے اس کی ذات کے بارے میں کسی عیب کا پایا جانا تو بہت بڑی بات ہے اس بارے میں تصور بھی گناہ ہے اور ایمان کے ضائع ہونے پر دلالت کرتا ہے...... پتہ نہیں نادانوں نے اس قسم کی باتیں کیوں لکھ دیں؟ اور کیوں چھاپ دیں؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں کئی کتابیں تصنیف فرمادیں

☆...سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح

☆...سبحان القدوس عن تقدیس نحس منکوس

علم عقائد میں لکھی گئیں چند کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا۔ اگر ہر کتاب کا تعارف پیش کیا جائے تو اس کے لیے ہزاروں صفحات چاہیے۔ اس لیے میں اس سے پہلو تہی کرتے ہوئے چند باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

الف......کسی فن کو جاننا ہی بڑی بات ہوا کرتی ہے اسی جاننے کی بنیاد پر کہا جاتا ہے وہ اس فن کا عالم ہے۔

ب......اور کسی فن کے تعلق سے اس کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر رکھنا اور بھی بڑی

بات ہے اور یہ اس بات کی علامت ہوا کرتی ہے کہ اس فن میں گہری نظر رکھنے والے کے لیے کہا جاتا ہے اسے اس فن میں ''مہارت تامہ حاصل ہے۔

ج...... کسی فن میں کتاب لکھ دینا اور اس کتاب کو قبول عام حاصل ہونا کتنی بڑی بات ہے یہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

د......اور کثیر تعداد میں کتابوں کو تحریر کرنے کا مطلب صاف ہے کہ اس فن کا امام ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو واقعی طور پر علم عقائد میں امام ہونے کا شرف حاصل ہے ان کے زمانہ میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جن کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اس فن کا امام ہے۔اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اس فن میں کوئی ایک نہیں بلکہ ۳۰ رکتابیں تصنیف کی ہیں۔۶ رکتابوں کا اوپر ذکر کیا گیا اور بقیہ کتابیں درج ذیل ہیں:

(۷)...عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوك الاسلام

(۸)...دٌب الاهواء الواهية فی باب الامير معاويه

(۹)...فتوی القدوة لكشف دفين الندوه

(۱۰)...جزاء الله عدوه بانه ختم النبوة

(۱۱)...فتاوی الحرمين بر نجف ندوة المين

(۱۲)...ترجمة الفتوىٰ وجه عدم البلوی

(۱۳)...خلص فوائد فتوی

(۱۴)...قوارع القهار على المجسمة الفجار

(۱۵)...السوء والعقاب على المسيح الكاذب

(۱۶)...قهر الديان على مرتد بقاديان

(۱۷)...حسام الحرمين على منحر الكفر والمين

(۱۸)...خلاصة فوائد فتاوی

(۱۹)...مبين احكام وتصديقات مرام

(۲۰)...ثلج الصدر لایمان القدر
(۲۱)...الفیوض الملکیة لمحب الدولة المکیة
(۲۲)...تمھید ایمان بآیات القرآن
(۲۳)...دامان باغ سبحٰن السبوح
(۲۴)...المبین ختم النبیین
(۲۵)...مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء
(۲۶)...لمعة الشمعة لھدی شیعة الشنعة
(۲۷)...الرائحة العنبریة من المجمرة الحیدرة
(۲۸)...اخباریہ کی خبر گیری
(۲۹)...الصارم الربانی علی اسراف القادیانی
(۳۰)...مبین الھدی فی نفی امکان مثل المصطفیٰ

یہ علم عقائد میں لکھی ہوئیں کتابیں ہیں جن کے مطالعہ کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ دور حاضر میں جس ذات گرامی نے علم عقائد کو فروغ بخشا ہے وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات ہے...... جہاں تک علم کلام کی بات ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس علم کو بھی ترقی کی منزلوں سے ہمکنار کیا ہے...... یوں تو علم کلام کے بارے میں بہت کچھ بتادیا گیا ہے مگر میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ علم کلام کا وہ تعارف پیش کردوں جو حیات اعلیٰ حضرت میں مرقوم ہے، ملاحظہ فرمائیے:

علم کلام ......جس علم کے ذریعہ انسان قادر ہو کہ عقائد دینیہ حقیہ کو دلیلوں سے ثابت کرسکے اور اس پر سے شکوک وشبہات کو رفع کردے وہ علم کلام ہے۔ اس علم کا موضوع متقدمین کے نزدیک ذات باری تعالیٰ وصفات الٰہی ہے اور بعض کے نزدیک اس کا موضوع موجود من حیث ھو موجود ہے۔ متاخرین کے نزدیک علم کلام کا موضوع معلوم ہے

اس حیثیت سے کہ اس کا تعلق اثبات عقائد دینیہ سے ہے عام ازیں کہ اس کا تعلق قریب ہو یا بعید ہو اور دین سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے......

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اس فن میں بھی امامت کا درجہ حاصل تھا اس کا بین ثبوت وہ کتابیں ہیں جو اس فن میں لکھی گئیں ہیں......مثلاً

☆...ضوء النهایه فی اعلام الحمد والهدایه
☆...السعی المشکور فی ابداء الحق المهجور
☆...معتبر الطالب فی شیون ابی طالب
☆...مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید
☆...الکوکبة الشهابیه فی کفریات ابی الوهابیه
☆...اصل السیوف الهندیه علی کفریات بابائے النجدیه
☆...شرح المطالب فی مبحث ابی طالب
☆...المقال الباهر ان منکر الفقه کافر
☆...المعتمد المستند بناء نجاة الابد
☆...رد الرفضة
☆...دفعة الباس علی حاجة الفاتحه والفلق والناس
☆...تنبیه الجهال بالهام الباسط المتعال
☆...جوابهائے ترکی وبه ترکی
☆...الصمصام الحیدری علی حمق العیار المفتری
☆...الجرح الوالج فی بطن الخوارج
☆...ظفر الدین الجید ملقب به بطش غیب
☆...چابك لیث بر اهل حدیث

کامیاب انسان وہ ہوا کرتا ہے جو اپنی بات کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کر سکے اور اپنی کہی ہوئی باتوں کو دلیلوں اور معتبر براہین سے ثابت کر سکے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان کو "فن استدلال" اور اس کے "مختلف وجوہ اور صور" پر مکمل مہارت حاصل ہو اور یہ مہارت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اسے علم منطق، علم عقائد اور علم کلام پر کامل قدرت اور ملکہ حاصل ہو ...... جہاں تک مذکورہ فنون میں "سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی" کو مہارت تامہ اور قدرت کاملہ حاصل تھی یا نہیں؟ اس بات کو اب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جو کتابیں مذکور ہوئیں وہ مثل آئینہ ہیں ہیں جو صاف بھی ہیں اور شفاف بھی ...... آنکھ والوں کو دعوت دی جاتی ہے وہ آئیں اور دیکھیں اور مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کریں ...... یہی کتابیں بتا دیں گی کہ امام احمد رضا کیا ہیں اور ان کی شخصیت کس بلند چوٹی پر فائز ہے ...... ادھر اُدھر کی باتوں پر دھیان نہ دیں ...... یہ عالی دربار ہے اور سب کو آنے کی اجازت ہے کوئی بھی آئے اور اپنے ماتھے کی آنکھوں سے محبوب دلآرا کے حسن و جمال کے رنگ برنگ جلوؤں کا تماشہ دیکھے......

ماضی میں دیکھنے والوں نے انہیں دیکھا ......ان کے فکر وفن کے جلوؤں کو دیکھا اور طرز استدلال کی خوبیوں کو دیکھا تو انہیں ہر فن میں یگانہ و یکتا پایا...... بے مثل اور بے نظیر پایا اور ایسا پایا کہ ان کے زمانہ میں ان کے پایہ کا کسی نے کسی کو نہیں پایا......اور اس دور میں بھی کچھ لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں مگر افسوس اس بات پر ہے کہ انہیں دیکھنے کی تاب ان کی نگاہوں میں نہیں ہے یا پھر ان کی نگاہوں میں کچھ ایسا عیب چھپا ہوا ہے جو صحت دید کے لیے مانع کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک کو دیکھنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر اسے ایک نہیں کئی ایک دکھائی دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایک کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہے......بس اس دور کا یہی ایک المیہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

باب پنجم

تقلید معنیٰ ومفہوم اوراس کی ضرورت

حضرات گرامی!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی تعریف میں کہا تھا کہ یہ (یعنی مسلک اعلیٰ حضرت) مذہب امام اعظم کے عین مطابق ہے...... اور اسی کو ہم نے فصل دوم قرار دیا ہے...... کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے؟ نہیں...... میں نے جو کچھ بھی کہا ہے...... وہ کچھ غلط نہیں کہا ہے...... بلکہ جو بھی کہا ہے...... سچ ہی کہا ہے...... سچ کے علاوہ کچھ اور نہیں کہا ہے...... عمومی طور سے غلطی وہاں واقع ہوتی ہے...... جہاں جذبات کی رو اور جوش جنوں میں کچھ کہا جاتا ہے اور جہاں ''شعوری اعتدال'' اور ''فکری توازن'' سے کام لیا جاتا ہے......وہاں غلطی کا امکان کم ہوا کرتا ہے...... کیونکہ ایسا انسان ایک ایک لفظ کو ناپ تول کر لکھتا ہے اور نہایت ہی سوچ سمجھ کر اسے کاغذ کی زینت بناتا ہے......

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو ''مذہب اہلسنت وجماعت'' کے عین مطابق قرار دینے کی صورت میں دو باتوں کا تصور ہوا کرتا ہے۔

اول......تقلید

دوم......امام اعظم کے مذہب کی جانب مسلک اعلیٰ حضرت کی نسبت۔

اور یہ دونوں باتیں کام کی ہیں......

تقلید......اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر کے قول وعمل کو اپنے لیے لازم قرار دینا کسی دلیل و حجت پر غور کیے بغیر......تقلید ہمارے لیے اور سب کے لیے دینی اور بنیادی ضرورت ہے......قرآن مقدس میں سب کچھ موجود ہے......کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قرآن مقدس میں نہ پائی جاتی ہو......کیا ہر انسان اس چیز کو حاصل کرسکتا ہے......؟ نہیں اور ہرگز نہیں !۔جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے یا جس پر اس کا فیضان جاری ہوتا ہے وہی اسے حاصل کرسکتا ہے......اللہ تعالیٰ نے ہمارے چاروں اماموں کو یہ صلاحیت عطا کی ......اس لیے فقہ کی چار ''انسائیکلو پیڈیا'' تیار ہوگئیں......چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے کہ انہیں چاروں کی اتباع میں حق پوشیدہ ہے......رشد وہدایت پائی جاتی ہے اور اخروی نجات بھی اسی میں ہے......اور اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ اب صرف وہی اہلسنت سے ہے اور ہوگا......جو ان میں سے کسی ایک کی اتباع کرے اور جو اتباع نہیں کرتا ہے وہ اہل سنت سے نہیں

تقلید کی تعریف مختلف حیثیات سے پیش ہے:

الف......از روئے لغت ''گردن میں ہار یا پٹہ ڈالنے'' کو تقلید کہا جاتا ہے اور عرف میں کسی کی بات ماننے اور کسی کے نقش قدم پر چلنے کو تقلید کہا جاتا ہے......

ب......شریعت میں ''تقلید'' اس بات کا نام ہے کہ کوئی کسی کے قول وعمل کو اپنے اوپر لازم قرار دیدے اس یقین کے ساتھ کہ وہ محقق ہے اور دلیل پر نظر نہ رکھے......تقلید کی یہ تعریف نہایت ہی جامع اور مانع ہے

ج......تقلید شخصی چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی مسائل شرعیہ میں تقلید کرنا واجب ہے۔

خیر القرون کے بعد جب قرآن مقدس اور احادیث پاک سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت مفقود ہوگئی اور مسلمانوں کے درمیان نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے تو اللہ

پاک نے ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ائمہ حضرات کو پیدا فرمایا اور پھر انہوں نے اللہ پاک کی بخشی ہوئی قوت وصلاحیت سے استخراج مسائل کے لیے اصول وقواعد وضع فرما دیئے......یہی افراد ''مجتہد مطلق'' کے نام سے موسوم ہوئے......بس اسی دور سے تقلید کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ ''شرعی ضرورت'' یعنی مسلمانوں میں نت نئے مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت کا نہ پایا جانا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی کہ اب قرآن اور احادیث پاک مسائل کے حل میں ناکافی ہیں اس لیے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا......تقلید کی مانند اتباع بھی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اس کے باوجود تقلید اور اتباع میں فرق ہے اور مختلف جہات سے فرق ہے مثلاً......

الف......محض پیروی کو اتباع کہا جاتا ہے جب کہ تقلید میں یہ اتباع لازم ہوتی ہے......

ب ......تقلید میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جس کی پیروی کی جارہی ہے وہ محقق ہو اور اتباع تو کسی کی بھی کیجا سکتی ہے محقق کی بھی اور غیر محقق کی بھی......

ج ......تقلید میں دلیل پر نظر نہیں ہوتی ہے جب کہ اتباع دلیل شرعی سمجھ کر کی جاتی ہے

د......تقلید کرنے والوں کو ''مقلدین'' اور اتباع کرنے والوں کو ''امتی'' یا ''پیروکار'' کہا جاتا ہے......

تقلید کو بعض لوگ بدعت کہا کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ اسلام میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کو واجب قرار دیا گیا......اور یہ تقلید قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث پاک سے بھی ثابت ہے قرآن مقدس کی جن آیتوں میں ''اتباع'' کو ضروری قرار دیا گیا ہے انہیں آیتوں سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے مثلاً......

(الف) آیت......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** ......ترجمہ یہ ہے ''اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر......اس آیت پر بحث کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا تو جو شخص اجتہاد نہ کر

سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہے تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرنا کیوں کر ضروری ہوگا؟

(ب) آیت... کلام پاک میں ہے:۔فلولا نفر من کل فرقة طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم یحذرون...... ترجمہ یہ ہے "تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض تو فقیہ بنیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔(جاء الحق ص ۲۷)

(ج) آیت ......اللہ تعالی کا فرمان پاک ہے ...یوم ندعوا کل اناس بامامهم. اس کا ترجمہ یہ ہے۔جس دن ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے ......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں امام سے کون مراد ہے کیا غیر مقلدین زمانہ اس بات کی وضاحت کر سکتے ہیں؟ نہیں! ان میں دم ہی کہاں ہے؟ کہ وہ اس کی وضاحت کر سکیں۔وہ صرف اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر چلنے والا ہی ہے جو اس کی وضاحت کر سکتا ہے اور یونہی نہیں۔ بلکہ دلیل اور حوالہ کے ساتھ بیان کر سکتا ہے......علامہ مفتی احمد یار خانصاحب فرماتے ہیں تفسیر روح البیان میں ہے: او مقدم فی الدین فیقال یا حنفی یا شافعی۔ یعنی آیت میں امام سے مراد "دینی پیشوا" ہے پس قیامت میں کہا جائے گا اے حنفی۔یا شافعی......(جاء الحق وذہق الباطل) غیر مقلدین زمانہ بتائیں کہ یہ بروز قیامت کس امام کے نام سے پکارے جائیں گے؟ جب ان کا کوئی امام ہی نہیں ہے تو یہ کیوں پکارے جائیں گے؟ یہ بیچارے ایک گوشے میں بے یارو مددگار بیٹھے رہیں گے ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

مذکورہ تینوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بہر حال کسی نہ کسی امام کی تقلید ضروری ہے

واجب ہے خیال رہے کہ یہ صورت حال خیر القرون کے بعد کی ہے اس سے پہلے کی نہیں اور آپ کا تعلق خیر القرون سے نہیں ہے اس لیے آپ اس بات کا اپنے ذہن میں تصور بھی نہ کریں کہ ہمیں تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تقلید کے واجب ہونے پر قرآن مقدس سے اور بھی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں مگر طوالت کے باعث انہیں تین آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں...... حدیث پاک سے بھی تقلید کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ) جو تمہارے پاس آئے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو۔ اس حدیث میں جس کی اطاعت کی بات کہی گئی ہے اس سے مراد امام اور علما ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ حدیث میں ''اطاعت'' کو مطلق رکھا گیا ہے کہ مطلق اطاعت امام کی کی جاتی ہے یا پھر علما کی کی جاتی ہے حاکم یا امیر کی اطاعت مطلق نہیں ہوتی ہے...... لہٰذا حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ''تقلید'' واجب ہے انصاف پسند افراد کے لیے اسی قدر کافی ہے......

لہٰذا تقلید کو فصل قرار دینے کی صورت میں کوئی بھی سلفی ہو یا محمدی یا وہابی یا غیر مقلد ہو وہ اہل سنت سے نہیں ہے...... یہ نظریہ خود ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح میں موجود ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اس بارے میں تحریر کیا ہے فتاوی رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں اور جا بجا رد بھی فرمایا ہے......

اب رہی دوسری بات کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' مذہب امام اعظم کے عین مطابق ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت میں اسے بھی ''فصل'' کی حیثیت حاصل ہے مگر یہ ''فصل'' غیروں کو نکانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت تتمہ کی ہے تا کہ ہم سب کا وجود ہر زاویہ سے مکمل ہو جائے اور اس میں کسی قسم کی جھول نہ رہے......

جب میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ''مذہب امام

اعظم" سے مطابقت رکھتا ہے تو انہوں نے برجستہ کہا...... میاں یہ مسلک ہے اور وہ مذہب ہے دونوں کے مابین مطابقت کس طرح سے ہو سکتی ہے؟ اب ذیل میں مذہب کی وضاحت کی جارہی ہے......

مذہب اور اس کی تشریح:

مذہب کی تشریح مختلف مرحلوں میں کی جائے گی۔

پہلا مرحلہ......تشریح باعتبار لغت:

مذہب اس کے حرف مادہ (ذ، ھ، ب یعنی ذ ہب) ہے...... یوں تو لغت میں اس کے مختلف معانی لکھے ہوئے ہیں مگر بنیادی طور پر اس کے دو معانی آتے ہیں

معنی اول...... حسن ونضارت ہے اور یہی معنی اس کے تمام معانی کی اصل ہے......

ابن فارس نے اسی معنی کو "معظم الباب" کہا ہے۔

(۱)...... ذَھَبٌ اس کا معنی سونا لیا جاتا ہے اسی طرح اس کا معنی چشمہ بھی لیا جاتا ہے اس مقام پر سونا سے مراد کسی کا سونا نہیں ہے اس سے مراد معدنی جوہر ہے جو زمین سے نکلتا ہے اور ظاہر ہے اس کے دونوں معانی میں خوبصورتی اور حسن وشگفتگی پائی جاتی ہے، اسی لیے لوگ سونے کی جانب متوجہ ہوا کرتے ہیں اور چشمہ میں نضارت پائی جاتی ہے جب کوئی انسان اپنی زندگی میں گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے تو وہ چشموں کی طرف بھاگتا ہے...... بارش کو بھی ذھب کہا جاتا ہے کیونکہ بارش سے زمینیں لہلاتی ہیں اور کھیت وکھلیان تروتازہ ہو جاتے ہیں۔

(۲)......اس کا معنی چلنا اور سیر کرنا بھی آتا ہے۔ اس کا استعمال مختلف صلے کے ساتھ ہوا کرتا ہے کبھی فی کے ساتھ اور کبھی الی...... علی ......عن...... کے ساتھ ہوا کرتا ہے......اسی سے مذہب آتا ہے کہ ارباب لغت نے تحریر کیا ہے:

(۱)...مذهب مفرد ج مذاهب مصدر میمی من ذهب/ ذهب الی/ذهب به/ذهب علی/ذهب فی/ذهب عن۔

(۲)...طریقة، قصد، رای،وجهة نظر...مذهبی فی الحیاة کذا،متعصب لمذهبه، تحمس لمذهب فلان۔ضاقت به المذاهب ضاقت علیه المسالیك،وللناس فیمایعشقون مذاهب،مایدری لفلان مذهب رای ثابت۔

(۳)...معتقد دینی اتبع المذهب المالکی۔

(معجم اللغة العربیة المعاصرة ۱/۸۲۵)

ترجمہ...... مذہب مفرد ہے اس کی جمع مذاہب آتی ہے...... ذہب/ ذہب الی/ ذہب بہ/ ذہب علی/ ذہب عن/ ذہب فی۔ سے مصدر میمی ہے......اس کے معانی میں طریقہ......قصد...... نظر کا مرکوز ہونا بھی لیا جاتا ہے......اہل عرب کا مقولہ ہے:

☆...مذہبی فی الحیاۃ کذا...... زندگی بسر کرنے کا میرا طریقہ......

☆... تحمس لفلان مذهب... فلاں مذہب کے لیے جوش وجذبہ دکھانا یہ بھی اس کا معنی ہے......اسی تعصب اور تحمس نے جیسا کہ لوگ بولا کرتے ہیں۔ ضاقت به المذاهب...وضاقت به المسالك کہ تحمس سے مذاہب اور مسالک تنگ ہو گئے

☆......وللناس فیمایعشقون مذاهب...... عشق ومحبت کے بارے میں لوگوں کے مختلف مذاہب ہیں یعنی طریقے ہیں...... مختلف رائیں ہیں......

(۳)......معتقد دینی جیسا کہ کہا جاتا ہے "اتبع المذهب المالکی" کہ میں مذہب امام مالک کی اتباع کرتا ہوں......

دوسرا مرحلہ:

اسی طرح مذہب کی تشریح کرتے ہوئے علامہ حموی فرماتے ہیں:

والمذهب لغة "موضع ذهب" وهوالمرور فحاصله الطریق... ثم نقل منه الی الاحکام الشریعة الاجتهادیة التی هی طرائق المجتهدین یمرون باقدام

عقولهم الراجحة لتحصيل الظن بها ...واما معناه فى العرف وهو ما يختص به المجتهد من الاحكام الشريعه الفرعيه الاجتهاديه المستفادة من الادلة الظنية۔

وعرف بعضهم المذهب بأنه الاحكام الشرعية الاجتهادية واسبابها وشروطها وموانعها والحجج المثبتة للاسباب والشروط والموانع ۔

(غمز العیون ۱/۳۰)

ترجمہ......مذہب لغت میں ''موضع ذھاب'' ہے اور وہ جائے گزاشتن ہے جس کا حاصل ''راستہ'' ہے......پھر مذہب اس سے منقول کر کے اس سے مراد وہ احکام شرعیہ اجتہادیہ لیے گئے جو مجتہدین کے لیے مثل راستے کے ہیں جن پر مجتہدین کرام اپنی راجح عقلوں کے قدموں سے چلا کرتے ہیں تا کہ احکام شرعیہ کا ظن حاصل کیا جا سکے......

مذہب کی عمومی طور پر دو تعریفیں کی جاتی ہیں

اوّل......فقہا کی اصطلاح میں مذہب سے مراد وہ لیا جاتا ہے جو مجتہد کے ساتھ خاص ہوا کرتا ہے یعنی وہ احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ جو ادلہ ظنیہ سے مستفاد ہوا کرتے ہیں ......اسی غمز العیون میں اسی جلد اور اسی صفحہ میں ہے

واما معناه فى العرف وهو مااختص به المجتهد من الاحكام الشرعيه الفرعيه الاجتهاديه المتفادة من الادلة الظنيه۔ (حواله سابق)

دوم......مذہب نام ہے احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ کا......اور اس کے اسباب و شروط اور موانع کا......اور ان دلائل کا جن سے اسباب و شروط اور موانع کا اثبات ہوا کرتا ہے۔

وعرف بعضهم المذهب بانه الاحكام الشرعيه

الفرعیه الاجتهادیه اسبابها وشروطها وموانعها
والحجج المثبتة للاسباب والشروط واموانع الخ
(حواله سابق)

مذہب کی دونوں تعریفیں آپ کے سامنے ہیں ان تعریفوں پر غور کریں اور دونوں تعریفوں میں جو فرق وامتیاز ہے اسے سمجھنے کی کوشش کریں ...... یہی میری آپ سے گزارش ہے اور التجا بھی......

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہرایک اصطلاح کا اطلاق اس کے مسائل پر ہوا کرتا ہے اور اس کا اطلاق حقیقی ہوا کرتا ہے اور مسائل بھی مختلف قسم کے ہوا کرتے ہیں مثلاً

☆ ......بعض وہ مسائل ہوا کرتے ہیں جو منصوص علیہ ہوا کرتے ہیں ان میں سے بعض قرآن مقدس سے ثابت ہوا کرتے ہیں اور بعض احادیث سے ثابت ہوا کرتے ہیں فقہ کی کتابوں میں اس طرح کے مسائل کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں......

☆ ......اور بعض مسائل وہ ہوا کرتے ہیں جنہیں مجتہدین اپنے بنائے گئے اصول و قواعد کے تناظر میں استنباط کرتے ہیں ...... یہی وہ مسائل ہیں جو "احکام شرعیہ فرعیہ اور اجتہادیہ کہلاتے اور مجتہدین کے ساتھ مختص ہوا کرتے ہیں ......بس انہیں مسائل پر عرف میں مذہب کا اطلاق ہوا کرتا ہے اور مذہب کی تعریف اول میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے،

☆ ......فقہ کے بہت سے ایسے بھی مسائل ہیں جو کسی مجتہد سے مروی نہیں ہوا کرتے ہیں بلکہ کسی مجتہد کے شاگرد انہیں کے بنائے گئے استنباط کے اصول وقواعد کو بروئے کار لاتے ہوئے مسائل کا استخراج کیا کرتے ہیں ..... کیا اس پر مذہب کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے؟ اس بابت مذہب کی تعریف اول خاموش ہے...... عمومی طور پر ان مسائل کا استخراج ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں بلکہ وہ افراد کیا کرتے ہیں جو "اصحاب تخریج کہلاتے ہیں۔

مذہب کی تعریف دوم کی بنیاد پر...... مذہب کا اطلاق صرف ''احکام شرعیہ، فرعیہ، اجتہادیہ'' پر ہی نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ اس کے اسباب شروط اور موانع اور دلائل پر بھی ہوا کرتا ہے...... اسباب وشروط اور دلائل وموانع کا پاس ولحاظ کرنا اصحاب تخریج کا کام ہے اور اس پر بھی مذہب کا اطلاق ہوا کرتا ہے......

تعریف دوم تعریف اول کے مقابلہ میں عام ہے اور تعریف اول دوم کے مقابلہ میں خاص ہے...... لیکن اگر دونوں تعریفوں پر غور کیا جائے تو دونوں تعریفیں ایک دوسرے کے قریب آسکتی ہیں اور اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔

وجہ اول ...... ان مسائل کو لے کر تعریف اول خاموش ہے مگر خاموشی کا مطلب ''عدم شمولیت'' نہیں ہے جیسا کہ اہل علم اس بات سے واقف ہوا کرتے ہیں

وجہ دوم...... تعریف اول کا درج ذیل جملہ

وهو ما يختص به المجتهد من الاحكام الشريعه
الفرعيه الاجتهاديه المستفادة من الادلة الظنية الخ

عام ہے ظاہر ہے اس میں مسائل تو شامل ہیں ہی مجتہدین جن مسائل سے مباشر ہوئے ہیں۔

دوسرے قسم کے مسائل میں مجتہد اگرچہ مباشر نہیں مگر ان مسائل کے استخراج میں انہیں کے اصول وقواعد سے استفادہ کیا گیا ہے اس لیے ان مسائل پر بھی مذہب کے اطلاق میں کسی قسم کا حرج نہیں ہے اور تعریف اول میں شامل ہے......

اب رہی بات مسلک کی ...... تو اس بارے میں عرض ہے یہ بھی مذہب کے شانہ بشانہ چلتا ہے اور لغت کے اعتبار سے اس کی تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ۔

مسلک ...... اس کا مادہ سلک ہے اور اس کا معنی چلنا ہے جس کا حصل راستہ ہوا کرتا ہے کبھی اس پر قدموں سے چلا جاتا ہے اور کبھی فکر ودانش سے چلا جاتا ہے...... اور مذہب کا بھی قریب قریب یہی معنی ہے...... دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب خاص ہے

اور مسلک عام ہے...... اصولی طور پر عام اور خاص کے درمیان مناسبت ہوا کرتی ہے...... اسی مناسبت کے سبب کوئی خاص ہوتا ہے اور کوئی عام ہوا کرتا ہے...... اس لیے اگر کوئی مسلک کو مذہب کے عین مطابق کہے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہو سکتی ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت کو امام اعظم کے مذہب سے عین مطابق قرار دینے کی صورت میں "حنفیہ کا وجود و تحقق ثابت و متشخص ہو گیا...... اسی طرح شافعی حضرات بھی متشخص ہو گئے اور مالکی و حنبلی بھی......

فائدہ...... اس تفصیلی مطالعہ سے "مسلک اعلیٰ حضرت" کی تعریف فنی اعتبار سے مکمل ہو چکی ہے اس کا اب کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جائے کہ ابھی یہ مکمل نہیں ہوا ہے میں نے تو اپنے اعتبار سے اپنے دل اور دماغ کو کاغذ پر پیش کر دیا ہے، اب قارئین کو فیصلہ لینا ہے کہ میں کہاں کامیاب ہوا؟ اور کہاں ناکام ہو؟

اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" ایک اصطلاح ہے اور اس کا تصور تین طریقہ سے کیا جا سکتا ہے

۱...... مسلک اعلیٰ حضرت...... کا تصور اس کے اجزائے ترکیبیہ یا اجزائے تحلیلیہ کے اعتبار سے...... اسی تصور کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی تعریف کی گئی...... اضافی تعریف بھی کی گئی اور لقبی تعریف بھی...... اب یہ تصور مکمل ہو گیا

۲...... مسلک اعلیٰ حضرت...... کا تصور اس کے نوع ہونے کی حیثیت سے...... نوع کے تصور میں محض اس کی مجموعی حیثیت دیکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ میں کیا ہے اور اس کی کیا خوبیاں ہیں اور اس میں کس قسم کے کمالات پائے جاتے ہیں؟

...... مسلک اعلیٰ حضرت کا تیسرا تصور یہ ہے کہ یہ مجموعی حیثیت سے کس کے مقابل میں ہے؟ ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تا کہ اس کے تمام پہلو مکمل ہو جائیں اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے......

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب ششم

مسلک اعلیٰ حضرت اور سلاسلِ اربعہ

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی جامع اور مانع تعریف پیش کردی گئی ہے...... اس تعریف پر کوئی بھی مفکر یا دانشور کسی بھی زاویہ سے تنقید کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے کہ اس کے ہر ایک پہلو پر بحث کی جاچکی ہے...... اس میں ایسی تعلیمات اور ارشادات پائے جاتے ہیں جن پر عمل کرکے کوئی بھی انسان اپنی حیات مستعار کو اجالوں اور چاندنی سے منور ومجلی کرسکتا ہے اور موسم بہار جیسی سرسبز وشادابی لاسکتا ہے...... یہ صرف زبانی دعوی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے......

امام احمد رضا فاضل بریلوی اگرچہ علم وشعور اور فکر وفن کی اس بلندی پر فائز تھے جہاں سے کسی بھی انسان کا نیچے اترنا مشکل ہوجاتا ہے کہ بلندی ہے ہی ایسی چیز! جسے چھوڑنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا ہے اور جو اتر جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قدرت کو اس سے کوئی اور کام لینا مقصود ہوتا ہے جبھی وہ نیچے کی جانب مائل ہوا کرتا ہے...... تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ہمیشہ زمین سے محبت کی ہے اور اہل زمیں کی خدمت کرنے کو اپنے لیے باعث سعادت تصور کیا ہے ...... جہاں خواص ان کی صحبت میں رہا کرتے تھے وہیں عوام میں سے بہت سے ایسے افراد ہوا کرتے تھے جو ان سے علمی استفادہ

کیا کرتے تھے......اور سماج ومعاشرہ نیز اپنی ۔نجی زندگی کے تعلق سے بھی مسائل پوچھا کرتے تھے......آپ کی صحبت میں ہر ایک کو آنے کی اجازت تھی ......دربار کھلا رہا کرتا تھا کوئی آئے اور اپنے مسائل کو پوچھے اس کی کھلی چھوٹ تھی......اس میں کسی کے لیے کوئی پابندی نہیں تھی ......ان کے فتاوی شریف اور ملفوظات ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں ...... ان فتادی کا مطالعہ فرمائیں......آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا کو زمینی حقائق سے جڑے رہنے میں کس قدر مزہ آتا تھا......اور کس دلچسپی کے ساتھ وہ اہل زمانہ کی باتوں کو سنا کرتے تھے اور جواب بھی اس انداز میں دیا کرتے تھے کہ دلوں میں ان کی ہر ایک بات اُتر جایا کرتی تھی ......اللہ تعالی کی مخلوق سے محبت کرنا اور ان کی خدمت کرنا ہی اللہ کو پسند ہے......"مسلک اعلیٰ حضرت" کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے واقف ہیں اور جن لوگوں نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو اب کر لیں اور اس بات کی جانکاری حاصل کر لیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ہمیشہ تواضع ،انکساری اور عجز سے کام لیا ہے ان کے یہاں درشت مزاجی دور دور تک نظر نہیں آتی ہے......خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا اور کسی سے ملتے وقت چہرۂ ناز پر شگفتگی کا پھیل جانا اور تحریروں میں سوز گداز کے جذبات کا پایا جانا......اور لفظ لفظ سے لطافت ورعنائی کا احساس ہونا......یہی وہ ساری چیزیں ہیں جو ان کے اعلیٰ مقام ومرتبہ کا پتہ دیتی ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ امام احمد رضا اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلا کرتے تھے ان کا کوئی بھی قدم شرعی حدود سے باہر نہیں تھا......ان کے بزرگوں میں چاروں سلسلوں کے مشائخ واکابر ہیں......انہوں نے جس سلسلہ کو دیکھا اسے اپنا تصور کیا اور جس بزرگ کو دیکھا انہیں اپنا کہتے ہوئے اپنا لیا......یہ اپنے ہیں وہ ان کے ہیں یا یہ ہمارا ہے اور وہ تمہارا ہے اس طرح کا منفی جذبہ کہیں اور تو دکھائی پڑتا ہے مگر امام احمد رضا کے یہاں اس قسم کے جذبے کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا ہے......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک شعر ہے ؎

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

ان کے غلاموں کا...... یہ الفاظ و مرکبات امام احمد رضا کے ہیں ...... یہاں "ان کے" سے مراد...... سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام مراد ہیں...... اور سبھی سلسلوں کے مشائخ و اکابر ان کے غلام ہیں...... قادری ان کے غلام...... چشتی ان کے غلام...... سہروردی ان کے غلام...... اور نقشبندی بھی ان کے غلام ہیں...... اور ان میں سے ہر ایک کا نقش قدم "راہِ خدا" ہے یہ جذبہ جس کسی کے دل میں ہوگا وہ کبھی نہیں بہک سکتا...... یہی وہ سراغ ہے جسے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عام کیا ہے اور اسی پیغام کو گھر گھر پہونچایا ہے......

...... امام احمد رضا فاضل بریلوی تنہا تھے اور ان کے پیغام میں عمومیت ہے قادری، نقشبندی،، چشتی، سہروردی سب ان کی چادر کرم میں تھے ان کی ذات پوری دنیائے سنیت کے لیے رحمت الٰہی تھی اور دنیا ان کے کرم کی بارش میں نہایا کرتی تھی......

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی آفاقیت:

یہ بات مسلم ہے اور ان کے تمام سوانح نگاروں اور ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے والے اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ ان کی شخصیت آفاقی تھی...... عالم گیر تھی...... انہوں نے جو بھی کام کیا ہے یا جو بھی خدمات انجام دی ہیں...... وہ سب کے سب آفاقی ہیں ان کا کوئی بھی کام نجی نہیں ہے...... اور نہ ذاتی ہے بلکہ انہوں نے ہر سلسلے کے لیے کام کیا ہے ان کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے جو بھی کام کیا اپنے لیے کیا ہو...... انہوں نے کبھی کوئی کام اپنے ذاتی مفاد کے زیر اثر نہیں کیا، ان کی تحریروں میں اب تک ہمیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے۔

ہندوستان میں ایک دور ایسا بھی آیا کہ مخالفین اسلام نے "معمولات اہل سنت" کے خلاف تحریک چلائی کہ...... مزارات اولیا پہ حاضری شرک ہے...... ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے...... پھول چڑھانا شرک ہے...... چادر چڑھانا شرک ہے...... فاتحہ پڑھنا شرک ہے...... وغیرہ وغیرہ...... غرض یہ کہ غیروں نے تمام "محبان اولیا" کو مشرک کہنے سے گریز نہیں کیا...... غیروں کی یہ ریشہ دوانیاں کسی ایک سلسلہ کے بزرگوں سے متعلق نہ تھیں

بلکہ ہر سلسلہ کے ہر ایک بزرگ سے متعلق تھیں چاہے وہ بزرگ قادری سلسلہ کا ہو...... یا سہروردی سلسلہ کا ہو...... چشتی سلسلہ کا ہو یا نقشبندی سلسلہ کا ہو...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان ریشہ دوانیوں کے خلاف لکھا اور بہت کچھ لکھا ہے...... فتاوے بھی تحریر کیے ہیں اور کتب ورسائل بھی...... لیکن انہوں نے اپنی کسی بھی تحریر کو کسی خانقاہ سے خاص نہیں کیا ہے اور نہ کسی خاص سلسلہ کے خاص بزرگ کے نام مخصوص کیا ہے...... بلکہ انہوں نے اپنی دفاعی تحریر کو عام کیا ہے اور اسے بین الاقوامی صورت دی ہے جو اس بات کو ثابت کر رہی ہے کہ ان کی تحریر سب کے لیے ہے اور بھی سلسلوں کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام سلسلوں کو اپنا سلسلہ تصور کیا ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' تمام سلاسل کا جامع ہے......

امام احمد رضا اور اجمیر معلّٰی:

یہ بات بارہا سنی گئی ہے...... جب کوئی کسی کو چاہتا ہے تو اس سے راہ ورسم بنا کر رکھتا ہے اور اس کے دربار میں حاضر ہونے کو اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتا ہے...... اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل میں تو محبت کے آثار پائے جاتے ہیں اور حاضری کی بارہا کوشش بھی کرتا ہے اس کے باوجود کسی نہ کسی مجبوری کے تحت حاضری کا شرف حاصل نہیں کر پاتا ہے...... تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے دل میں محبت نہیں ہے...... حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالی عنہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ ہر آدمی لگا سکتا ہے...... اس کے باوجود بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل نہ کر سکے...... کہ ان کے ساتھ مجبوری تھی اور اپنی بوڑھی ماں کی خدمت ان کے ذمہ تھی...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی سفر کیا مگر بہت کم کیا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذمہ بہت ہی اہم کام سپرد تھا...... اسلام بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوبان خدا کے تعلق سے جن لوگوں نے گستاخانہ کلمات استعمال کرنے کو اپنی زندگی کا حصہ بنا رکھا تھا...... ان سب کا منہ توڑ جواب دینا امام احمد رضا محبوب ترین مشغلہ تھا...... پوری دنیا سے سوالات آتے تھے اور امام احمد

رضا ان کے جوابات لکھتے تھے...... کبھی خود لکھتے تھے اور کبھی املا کرایا کرتے تھے...... اس لیے آپ نے بہت ہی کم سفر کیا...... حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے آپ کو بڑی گہری عقیدت تھی اور ان سے دل وجاں سے محبت کیا کرتے تھے۔ مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ ایسے بھی کم ظرف افراد ہیں جو اس بات کو ہوا دے رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو چشتی بزرگوں سے محبت ہی نہ تھی ...... کار بسیار درپیش ہونے کے باوجود امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دو مرتبہ "اجمیر معلیٰ" کا سفر فرمایا، اس کی روداد پیش ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ کی سرکار میں وقت کا مجدد بھی حاضر ہوتا ہے اور جان ودل کا نذرانہ لیے حاضری دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے خواب میں حاضری دی ہے درد چشم کافور ہوا ہے بیداری میں کم از کم دو بار حاضر ہوئے ہیں اور خواجہ کی چوکھٹ چوم کر اپنی قسمت چمکائی ہے۔ ذرا دیکھئے! وقت کا مجدد کیسا فدائی ہے، کیسا شیدائی اور وارفتہ ہے مجدد اعظم کی یہ وارفتگی، وابستگی، ربودگی، فنادگی، فنائیت فدائیت سب کے لیے سزاوار تقلید وعمل ہے...... اعلیٰ حضرت بریلی سے چلتے ہیں۔ سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے بافیض آستانے پر حاضری دیتے ہیں، دیکھیے کیا فرماتے ہیں:

"امابعد! گدائے سرکار غوثیہ، سگِ کوئے قادریہ، عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ اس کا حشر سگان مولیٰ میں فرمائے) عرض پرداز ہے کہ فقیر نے ماہ مبارک ربیع الآخر ۱۳۰۲ھ میں سراپا طہارت حضور پرنور صاحب فضل بلند، سلطان المشائخ، محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زیارت کے قصد سے بریلی سے شد رحال (سفر) کر کے بارگاہ غیاث پور کی خاک بوسی کی۔ تین دن بعد وہاں سے آ کر شاہ جہاں آباد دہلی میں قیام کا عزم کیا۔" (قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ طبع بمبئی ۲۰۱۲ء ص ۱۰۔۱۰۹)

دل کا رشتہ عجیب رشتہ ہوا کرتا ہے جب کسی بزرگ سے دل کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے تو

فیوض و برکات کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ رشتہ کوئی بھی قائم کرسکتا ہے اس رشتہ میں نہ دوری حائل ہوتی ہے اور نزدیکی...... کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دور والا نزدیک ہو جاتا ہے اور نزدیک والا دور ہو جاتا ہے...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی بھی حضرت محبوب الٰہی کے قریب تھے اور اس قدر قریب تھے کہ عنایتوں کی موسلا دھار بارش ہونے لگی......

خود امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اس سے دو سال قبل میری داہنی آنکھ میں کثرت مطالعہ کے باعث کچھ ضعف آگیا تھا۔ دل نے کہا، آنکھ کی شفا وصفا کی امید پر دوائے چشم کے لیے طبیبوں کے پاس رجوع کیا جاسکتا ہے۔ میں نے دل کا مشورہ قبول کرلیا۔ لیکن چالیس دن تک پہاڑ کھودا سوکھی گھاس بھی ہاتھ نہ آئی (کوئی چوہیا بھی نہ ملی) سلطان المشائخ کے فضل راسخ کی جانب توجہ کی...... از راہ محبت وشوق حضرت کی مدح میں چند اشعار لکھے۔ رات کے وقت جب سر تکیے سے لگایا۔ اب خواب مجھے کس دروازہ سے اور کس بارگاہ میں لے گیا۔

خواب کو صرف خواب تصور نہ کیا جائے کہ کبھی خواب ایسا بھی ہوتا ہے جو حقیقت کی مانند ہوا کرتا ہے یہ خواب بھی کچھ اسی انداز کا ہے (آگے دیکھئے)

☆......ایک رنگین جنت نشان مقام ہے۔ جس کے جنوب میں مسجد ہے اور شمال میں ایک درگاہ ہے۔ بخت رسا کے ہمراہ جب وہاں پہونچا تو اس احاطہ میں تین تربتیں نظر آئیں۔ قبلہ کی جانب حضرت کارساز خواجہ غریب نواز سلطان الہند، وارث نبی قدس سرہ العلی کا مزار با امتیاز ہے۔ اسی کے پیچھے ایک ہاتھ کے فاصلہ پر ایک ایسے چاند کی منزل ہے جس کی تابندگی سورج کی طرح ہے جیسے آفتاب اور وقت چاشت اور چاند۔ جب سورج کے پیچھے آئے یعنی درجات بخشنے والے صاحب برکات سیدنا شاہ برکۃ اللہ مارہروی روح روحہ الملک القوی کا مخزن برکات مرقد مبارک ہے۔ اس کی پشت پر ایک اور قبر ہے جسے میں نہ پہچان سکا۔ سر عقیدت کو قدم بنایا۔ جب پہنچنے کے قریب ہوا تو دیکھا کہ پہلے خواجۂ

پاک کا مزار ہے میں پائتانے بیٹھ گیا۔

شہر یار علم وفن اور شہنشاہ فکر وشعور کا اس طرح پائتانہ پر بیٹھ جانا حیرت وکشمکش کا باعث ہوتا ہے اب انوار وتجلیات کی کیسی بارش ہونے والی ہے؟ امام مذکور کو دربار خواجہ سے کیا ملنے والا ہے؟ اسے اپنے ماتھے کی آنکھ سے دیکھئے......

☆......اب کیا دیکھتا ہوں کہ مرقد کا بالائی حصہ چاک ہوتا ہے اور حضرت خواجہ اس کے اوپر قبلہ رو آرام فرما ہیں۔ چشم مبارک کھلی ہوئی ہے قوی تنا ور دراز قامت شخصیت ہے رنگ سرخ ہے ساتھ ہی ایک دبدبہ اور شوکت ودلیری بھی عیاں ہے۔ آنکھیں کشادہ۔ داڑھی کے بال سیاہ وسفید عیب سے دور محاسن سے بھرپور ذات مبارک ہے۔ بے خود ہو کر دوڑا اور اپنے آپ سے بڑھ گیا۔ وہ خاک پاک جو مزار کے چاک ہونے سے برآمد ہوئی تھی۔ چہرہ اور آنکھ پر لگائی۔ پھر کیا تھا اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا اور سورۂ کہف کی تلاوت شروع کردی......دروازۂ مسجد کے پاس چند مجاور میری تلاوت پر ترش ہو گئے کہ نماز کا وقت ہے اور اس شخص نے تلاوت کا باب کھول دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: سبحان اللہ! ایک بندہ ایک خواجہ کے سامنے تلاوت میں مصروف ہے۔ ان کے دل پر کیوں گراں گزر رہا ہے؟ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کے لبِ اقدس پر تبسم کی شیرینی نمایاں ہو جاتی ہے گویا مجھے اشارہ فرمارہے ہیں انہیں چھوڑ دو تم پڑھو اور خبردار! اے فقیر!! ان کی بات کا کچھ خیال نہ کرنا۔ اس التفات کی حلاوت نے میرے دل سے ان ترش روبول کی تلخی مٹا دی......اب مجھے یاد نہیں کہ "ربنا اٰتنا من لدنك رحمة وهئى لنا من امرنا رشدا" (سورہ کہف آیت ۱۰) تک پہنچا تھا یا "ينشر لكم ربكم من رحمته ويهئى لكم من امركم مرفقا" تک کہ میری آنکھ کھل گئی اور وہ باب بند ہو گیا۔ بحمد للہ! ادھر یہ خواب دیکھا اور اُدھر مرض میں نمایاں تخفیف ہوئی۔ میں نے کہا اس پاک تربت کی خاک ملنے کی برکت ہے اور حضرت خواجہ کی یہ بندہ نوازی حضرت محبوب الٰہی کی مدحت کی بدولت ہے۔ میرا دل جوش میں آیا اور صدا لگائی اے شخص تو نے آنکھ سے

دیکھ لیا اور آنکھ پر آزمالیا تو کوئی پتھر ہی ہوگا۔ اگر اب بھی تیرے یقین میں اضافہ نہ ہوا......

(قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ طبع ممبئی ۲۰۱۲ء ص ۱۱۰ تا ۱۱۴)

یہ خواب سچا خواب ہے جو حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے اور اسی خواب میں تعبیر بھی ہے...... جب کوئی فرد عظیم خواب میں اپنے ممدوح کے اس قدر قریب ہوگا تو ظاہر ہے بیداری کی حالت میں بھی اس کی قربت کا یہی عالم ہوگا...... بریلی کا رشتہ بارگاہ خواجہ سے بھی جڑا ہوا ہے اور بارگاہ محبوب الٰہی سے بھی جڑا ہوا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا کا قلم چلتا تھا اور خواجہ کے مشن کی تکمیل ہو رہی تھی...... اور ان کی تحریک کامیابی کی منزلوں سے ہم کنار ہو رہی تھی...... اسی خواب میں اس بات کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے کہ اے احمد رضا! تم کام کرتے رہو...... لکھتے پڑھتے رہو...... خدائے برتر و بزرگ کے بندوں کی رہنمائی کرتے رہو اور کہنے والے کچھ بھی کہیں۔ خواہ وہ کہنے والے مجاور کیوں نہ ہوں اس کی فکر نہ کرو...... کہنے والے کہتے رہیں اور تم کام کرتے رہو...... کسی منزل پر یہ کام نہ رکے...... اسی میں میری رضا ہے اور میری خوشنودی ہے......

کیا کسی میں ہمت و جرأت ہے جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ اعلیٰ حضرت کا مشن حضرت خواجہ کا مشن نہیں تھا یا کہے کہ حضرت محبوب الٰہی کا مشن نہیں تھا؟ میرے خیال میں اس طرح کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا ہے جو اس دور میں جرأت کر رہا ہے میرے خیال میں اس کے دل میں انصاف کی ذرا سی بھی رمق سلامت نہیں ہے......

خواب اس کی تعبیر اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نیازمندی اور فنائیت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" کسی بھی سلسلہ کا مخالف نہیں ہے بلکہ ہر سلسلہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا سلسلہ ہے اور رہے گا...... امام احمد رضا فاضل بریلوی کو ہر سلسلہ کی خلافت حاصل تھی...... چشتیہ سلسلہ سے بھی خلافت حاصل تھی، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلہ سے بھی خلافت حاصل تھی...... اور ہر سلسلہ کی تعلیم "مسلک اعلیٰ حضرت" میں پائی جاتی ہے...... مروجہ قوالی کے تعلق سے جو نظریہ مسلک اعلیٰ حضرت" میں پایا جاتا ہے اسی

نظریہ کو بنیاد بنا کر اہل سلسلہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اعلیٰ حضرت فلاں سلسلہ کے مخالف ہیں کہ اس سلسلہ میں قوالی جائز ہے اور اعلیٰ حضرت اس کو ناجائز بتاتے ہیں۔

میں ایسے ہی ناپختہ کار تنقید نگاروں کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت میں موجود قوالی کے نظریہ کا ازسرنو مطالعہ کریں اور انصاف و دیانت کو بروئے کار لاتے ہوئے مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کریں اس بارے میں اعلیٰ حضرت نے جو نظریہ پیش کیا ہے یہی نظریہ تو قرآن وحدیث کا ہے اور خود حضرت محبوب الٰہی کا ہے......اپنے بزرگوں کے نظریہ کو پیش کرنا کوئی برا نہیں ہوتا ہے ہاں! غلط نظریہ رکھنے والوں کی بیجا حمایت کرنا ضرور برا ہے بس امام احمد رضا فاضل بریلوی کو یہی نہیں آتا تھا......کہ ان کا نصب العین خانقاہوں میں رائج غیر شرعی رسم و رواج کی حمایت نہیں بلکہ ان کے ادب واحترام کو عام کرنا تھا جن کی ذوات مقدسہ سے منسوب اہل خانقاہ اپنی دوکانیں چمکا رہے ہیں یہ ناراض ہو جائیں اس کی کوئی فکر نہیں بلکہ وہ راضی رہیں جن کی رضا سعادت مندی کی علامت ہے اور ان کا راضی نہ ہونا باعث خسران وہلاکت ہے......اب ایک واقعہ پیش کرنے جارہا ہوں جس سے اس بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے حضرت موصوف کو اپنی عنایتوں کے سایہ میں ڈھانپ لیا تھا......واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ رقم طراز ہیں:

سترہویں شب ماہِ فاخر ربیع الآخر ۱۳۰۳ھ میں کہ فقیر کو اکیسواں سال تھا۔ کہ مصنف علام سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد وحضرت محب الرسول جناب مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب قادری بدایونی دامت برکاتہم العالیہ کے ہمراہِ رکاب حاضر بارگاہ بے کس پناہ حضور پرنور محبوب الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ہوا۔ دونوں حضرات عالیہ اپنے قلوب مطمئنہ کے ساتھ حاضر مواجہ اقدس ہو کر مشغول ہوئے۔ اس فقیر بے توقیر نے ہجوم شور وشر خاطر پریشاں پائی......دروازۂ مطہرہ پر کھڑے ہو کر حضرت سلطان الاولیاء سے عرض کی! اے مولیٰ! غلام جس کے لیے حاضر ہوا۔ یہ

آوازیں اس میں خلل انداز ہیں (لفظ یہی تھے یا ان کے قریب بہر حال مضمون عریضہ یہی تھا) یہ عرض کر کے بسم اللّٰہ کہہ کر داہنا پاؤں دروازہ حجرہ طاہرہ میں رکھا۔ بعون رب قدیر وہ سب آوازیں دفعۃً گم تھیں...... مجھے گمان ہوا یہ لوگ خاموش رہے پیچھے پھر کر دیکھا تو وہی بازار گرم تھا۔ قدم کہ (اندر) رکھا تھا، باہر ہٹایا۔ پھر آوازوں کا وہی جوش پایا پھر بسم اللّٰہ کہہ کر داہنا پاؤں اندر رکھا، بحمد للہ پھر ویسے ہی کان ٹھنڈے تھے...... اب معلوم ہوا کہ یہ مولیٰ کا کرم اور حضرت سلطان الاولیاء کی کرامت اور اس بندۂ ناچیز شکر الٰہی بجالایا اور حاضر مواجہ عالیہ ہو کر مشغول رہا۔ کوئی آواز نہ سنائی دی جب باہر آیا پھر وہی حال تھا کہ خانقاہ اقدس کے باہر قیام گاہ تک پہونچنا دشوار ہوا۔ فقیر نے اپنے اوپر گزری ہوئی گزارش کی کہ اول تو وہ نعمت الٰہی تھی اور رب عزوجل فرماتا ہے واما بنعمة ربک فحدث اپنے رب کی نعمتیں لوگوں سے خوب بیان کرو۔ مع ھٰذا اس میں غلامان اولیائے کرام کے لیے بشارت اور منکروں پر بلا و حسرت ہے۔ الٰہی! صدقہ اپنے محبوبوں کا۔ ہمیں دنیا و آخرت و قبر و حشر میں اپنے محبوبوں کے برکات بے پایاں سے بہرہ مند فرما۔ ذیل الدعا لاحسن الوعا طبع کراچی ص ۶۱۔ ۶۰ (سفرنامہ اعلیٰ حضرت ص ۱۸۹۔۱۸۸)

اس واقعہ کو پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت نظام الدین اولیا کی بارگاہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کیا پذیرائی ہوئی...... کسی بزرگ کی بارگاہ میں شخصیت کی نہیں بلکہ ان کے اچھے کاموں کی پذیرائی ہوا کرتی ہے اسی طرح خلوص و محبت اور بے لوث جذبہ کی پذیرائی ہوا کرتی ہے...... یہ پذیرائی ان کے قلم کی ہے، ان کی تاب و توانائی کی ہے، ان کے نظریہ اور مسلک کی ہے اس نسبت کی ہے جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کو مارہرہ مطہرہ سے حاصل تھی۔ اس نسبت کا کمال کہیے یا پھر اس کا جمال کہیے کہ اس عظیم نسبت نے ہر بزرگ کی بارگاہ میں انہیں با کمال کر دیا اور ان کے مسلک و نظریات پر مہر تصدیق ثبت فرمادی......

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا ہر جگہ بول بالا ہے...... ہر بزرگ کی چوکھٹ پر اسی کی

دھوم ہے......اسی کی مقبولیت ہے...... چاہے آپ اس مسلک کا نام لیں یا نہ لیں۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا کرتا ہے......نام نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہوا کرتا ہے......قرون ثلاثہ میں تصوف نام سے نہ کوئی علم تھا اور نہ کوئی فن تھا......اور نہ اس فن سے متعلق کوئی اصطلاح تھی۔کیونکہ علم تصوف کی تشکیل بہت بعد میں ہوئی۔کیا کوئی اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ کہ قرون ثلاثہ میں تصوف کے مسائل نہ تھے...... تھے اور ضرور تھے یہ اور بات ہے......اس دور میں ان مسائل پر تصوف کا اطلاق نہیں ہوا کرتا تھا۔ٹھیک اسی طرح ہر سلسلہ کے بزرگ کے مزار پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے......میلاد کا انعقاد ہوا کرتا ہے...... چادر چڑھائی جاتی ہے...... اور ادب واحترام کے ساتھ کھڑے ہوکر کچھ نہ کچھ عرض کیا جاتا ہے......آپ مسلک اعلیٰ حضرت کا نام مت لیجئے مگر یہ مسائل تو وہی ہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت میں پائے جاتے ہیں......

بہرحال ان تمام شواہد سے ثابت ہو گیا کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" تمام سلسلوں کا جامع ہے کوئی بھی سلسلہ اس سے باہر نہیں ہے ا......ی لیے میرا ماننا ہے کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" تمام سلسلوں کا جامع ہے اور مانع بھی ہے یہ امر واقعی ہے اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔

☆☆☆☆☆☆

بابِ ہفتم

مسلک اعلیٰ حضرت اور تصوف

اس جہانِ گیتی کا عجب دستور ہے جو انسان اپنا خون جگر پلا پلا کر جسے جوان کرتا ہے اور اپنی محنتوں اور کوششوں سے جس پودے کو تناور پیڑ بناتا ہے...... اور جب وہ پھل دینے لگتا ہے تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے...... اور پھر بعد میں کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے...... اور جو انسان کچھ نہیں کرتا ہے۔ صرف کسی کی چمچہ گیری کرتا ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرتا ہے تو اسی کو سب کچھ تصور کر لیا جاتا ہے...... اس طرح کا المیہ کسی ایک آدھ مقام پر نہیں پایا جاتا ہے بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پایا جاتا ہے ...... یہی کچھ حال موجودہ دور کی خانقاہوں میں پایا جاتا ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت نے کیا نہیں کیا؟ اسے خون دینے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت کوئی سامنے نہیں آیا...... ہاں اگر سامنے آیا تو مسلک اعلیٰ حضرت سامنے آیا...... جب اولیائے کرام کے مزارات پر بیجا تنقید اور غیر شرعی اعتراضات کے تیر وسناں برسائے جا رہے تھے تو اس وقت کسی کے بازو میں اتنی سکت بھی باقی نہ تھی جو تلوار اٹھا سکے اور دشمنوں پر حملہ کر سکے۔ اس وقت اگر کسی نے خانقاہوں...... سجادہ نشینوں کی آبرو بچائی ہے تو وہ "مسلک اعلیٰ حضرت" ہے...... یورش

کرنے والوں کے خلاف جس نے تیور دکھائے۔ وہ کون تھا؟ سنیے اور اندازہ لگائیے کہ اس قسم کا تیور کس کا ہو سکتا ہے؟

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

☆☆☆☆☆

وہی دھوم پھر ہے ما شاء اللہ
مٹ گئے آپ مٹانے والے

☆☆☆☆☆

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں
وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

☆☆☆☆☆

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

یہ تیور کسی اور کا نہیں ......امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ہے ......اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے خلاف "مسلک اعلیٰ حضرت" کا یہ تیور مناسب ہے یا نہیں؟ جن ناہنجار افراد نے اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخیاں کی ہیں۔ ان کے بارے میں کس طرح کا موقف اختیار کرنا چاہیے؟

اس کا تعین بھی ضروری ہے ...... کیا ایسوں سے دوستی کی جائے؟ ان کی محفلوں میں جایا جائے؟ اور انہیں اپنی محفلوں میں بلانا چاہیے یا نہیں؟ ...... میرا یہ سوال ہر اس فرد سے ہے جو غیروں کے لیے اپنے دلوں میں نرم گوشہ اختیار کیے ہوئے ہیں ...... ان سوالوں کا جواب دینے سے پہلے یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ اگر کوئی آپ کو گالی دے یا آپ کے باپ کو برا بھلا کہے یا آپ کے کسی رشتہ دار کے خلاف زبان درازی کرے تو اس وقت آپ کی طبع نازک کا کیا فیصلہ رہے گا؟۔

اب دوسرا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا جو بھی موقف ہو...... وہ منجمد ہوگا یا متجاوز ہوگا۔ منجمد کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے واقعی گستاخیاں کی ہیں صرف انہیں تک محدود رہے گا؟ اور متجاوز کا مطلب یہ ہے کہ یہ موقف ان کے لیے بھی رہے گا جو ان کے ماننے والے ہیں...... بہر حال جو بھی موقف ہو اسے دلائل سے ثابت کریں ...... جہاں تک ہمارے موقف کی بات ہے وہ "مسلک اعلیٰ حضرت" میں پایا جاتا ہے اس کا مطالعہ کریں۔

☆ ...... مسلک اعلیٰ حضرت" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے جس سے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی...... اور جس سے عداوت کی اللہ تعالیٰ کے لیے عداوت کی ہے...... جس نے اللہ اور اس کے رسول کو چاہا وہ ہمارا ہے اور جس نے اللہ رسول کو نہیں چاہا وہ ہمارا کبھی نہیں ہوسکتا ہے یہی انصاف ہے اور یہی محبت کا تقاضا بھی ہے اس تقاضائے محبت کو نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے کیا فائدہ؟

محبت ایک ایسے جذبہ کا نام ہے جو محبوب سے متعلق ہوا کرتا ہے اور ان تمام چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جو محبوب سے قربت رکھتا ہے خواہ یہ قربت اتصالی ہو اور غیر منفک ہو ...... جیسے محبوب کا حسن و جمال ...... اس کا علم و کمال ...... اس کی ادائیں ...... طرز کلام ...... اس کے لبوں کا تبسم ...... بات کرنے کا ڈھب یا منفک ہو جیسے لباس ...... مکان وغیرہ اور کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو محبوب سے اتصال تو نہیں رکھتی ہیں مگر گہرا تعلق ضرور رکھتی ہیں ایسی چیزیں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں......

جو جس سے محبت کیا کرتا ہے اس کی ساری چیزوں سے محبت کرتا ہے وہ جس راہ سے چلتا ہے اس سے محبت کرتا ہے جہاں بیٹھ جاتا ہے اس کو دل و جاں سے چاہتا ہے...... جس صحرا میں وہ قدم رکھتا ہے اس کو اپنی جاں سے زیادہ عزیز رکھتا ہے...... جس وادی سے چلتا ہے اس کا احترام کرتا ہے جس سنگ خارا پہ وہ قدم رکھتا ہے اس کا چاہنے والا اس نشان قدم کو اپنے سر کا تاج تصور کرتا ہے ...... محبت ایک پیغام ہے اور ایسا پیغام ہے جو عالم گیر حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور اپنے اندر آفاقیت رکھتا ہے...... یہ محبت کا ایک عمومی تصور ہے جسے میں نے اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔۔

☆......محبت سب سے بڑا اور بلند پایہ مقام ہے اس سے بڑا اور کوئی مقام نہیں ہے ......کوئی کسی سے اس وقت تک محبت نہیں کرتا ہے جب تک کہ اس کو نہ جان لے اور نہ پہچان لے...... بے جانے اور بے پہچانے کون کس سے محبت کرتا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے محبت وہی کر سکتا ہے جو فکر و شعور رکھتا ہو اور جس کے پاس شعور ہی نہیں ہے...... وہ کیا جانے؟ کہ محبت کیا ہے؟ اور اس کا بلند مرتبہ کیا ہے؟ کیا کسی نے آج تک کسی پتھر کو کسی سے محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں! اور ہرگز نہیں

☆......محبت اسی سے کی جاتی ہے جس کا تصور مزہ دیتا ہے اور جس کے بارے میں سوچنا لطف دیا کرتا ہے ......اسی لیے محبت اسی سے کی جاتی ہے جو حسین ہوتا ہے ......خوبصورت ہوا کرتا ہے......

☆......محبت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لے ہاں! البتہ یہ ضروری ہے کہ اسے اپنے علم وفکر...... شعور وادراک اور دل کی آنکھوں سے دیکھے...... اور محبت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی کسی کے پاس رہے بلکہ محبت اس سے بھی کی جاتی ہے جو بہت دور ہوا کرتا ہے...... اور اس سے بھی محبت کی جاتی ہے جو صدیوں پہلے اپنی حیات ظاہری میں ہوا کرتا ہے...... اسی طرح محبت اس ذات سے بھی کی جاتی ہے جسے دنیا میں دیکھنا ممکن نہیں ہوتا ہے

☆......محبت وہ کیا کرتا ہے جس کے پاس دل ہوا کرتا ہے اور جہاں دل نہیں بلکہ اس کے پہلوئے جگر میں کوئی خشت ہو یا کوئی سنگ ہو وہ کیسے محبت کرے گا؟

☆......جو محبت کرتا ہے وہ مدام بے قرار رہتا ہے......اس کی تشنگی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے......اہل محبت کا دل اس طرح تڑپتا ہے جیسے کوئی ''مرغ بسمل'' تڑپتا ہو

☆......جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کا ادب بجالاتا ہے......اس کا نام لیتا ہے تو ادب سے لیتا ہے اس کا ذکر کرتا ہے تو ادب سے کرتا ہے......وہ صرف اسی کا ادب نہیں کرتا ہے بلکہ ہر اس چیز کا ادب کرتا ہے اور اس کا احترام بجالاتا ہے جو اس سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا بھی ادب کرتا ہے جو اس کا دوست ہوا کرتا ہے......یہ وہ حقیقت ہے جس پر تمام دانشوروں کا اتفاق ہے......

☆......محبت کی راہ بڑی عجیب راہ ہوا کرتی ہے اس راہ کا مسافر وہی ہوا کرتا ہے جو اس راہ کے گرد وغبار سے بھی پیار کرتا ہے۔ اس راہ میں کانٹے بھی ہوا کرتے ہیں تو انہیں بھی اپنے دل میں بسالیتا ہے کہ یہ کانٹا کسی اور راہ کا نہیں ہے بلکہ اس راہ کا ہے جس پر محبوب کا قدم ناز پڑا ہے۔

☆......رہِ محبت کا مسافر ایسا ہوا کرتا ہے جس کے ذہن میں صرف اور صرف محبوب کے جسم نازک کی خوشبو بسی ہوتی ہے وہ سانس لیتا ہے تو اس کے دل کی کلیاں کھل اُٹھتی ہیں اور اس کی جاں عنبر زار ہو جایا کرتی ہے۔

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو اس کے محبوب کا دشمن ہوتا ہے اس سے نفرت کرے اور اس سے دوری بنائے رکھے......دشمن سے ملنا اس کے قریب جانا اور اس سے راہ ورسم بنائے رکھنے میں میں محبت کی توہین ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت میں محبت بھی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے شدید نفرت بھی ہے......اپنوں کے لیے اس میں پیار ہے......محبت ہے اور عشق ہے...... رحم دلی ہے اور ہمدردی کا جذبہ ہے......اس لیے کہ وہ اسے چاہتا ہے جسے ہم چاہتے ہیں تو

وہ ہمارا بھائی ہے اور ہم ان کے بھائی ہیں...... انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو آج ہم کر رہے ہیں...... اور جو اپنا قریبی ہوا کرتا ہے اگر وہ اس کا نہیں ہے جس کے ہم ہیں تو یقین مانیے وہ ہمارا نہیں ہے...... یہی شیوہ تھا حضرت ابوبکر صدیق کا اور یہی حضرت عمر کا بھی طریقہ تھا......

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت میں تصوف کا عمومی تصور بھی پایا جاتا ہے اور اس کا خاص تصور بھی...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جس قدر علوم وفنون سے اپنے مسلک کو سجایا ہے ان سب میں تصوف کا عمومی تصور پایا جاتا ہے اور جہاں علم تصوف پر بحیثیت فن بحث کی ہے اس میں تصوف کا خاص رنگ پایا جاتا ہے۔

تصوف کا یہ مطلب نہیں کہ انسان صرف اونی لباس زیب تن کرے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ بڑی بڑی زلفوں سے اپنی گردن کو زیر بار کرے اور تصوف یہ بھی نہیں ہے کہ کوئی اپنے ہاتھ میں ہزار دانوں کی تسبیح رکھے...... زبان سے تو اللہ اللہ کرے اور دل میں رام رام۔

جنگلوں میں رہنے کا نام تصوف نہیں، صحراؤں میں بھٹکتے رہنے کا نام تصوف نہیں ...... نہ کل اس کا نام تصوف تھا اور نہ آج اس کا نام تصوف ہے...... تصوف میں ایک درد ہوتا ہے...... ایک کسک ہوتی ہے اس میں فغاں نہیں ہوتا اور نہ شور شرابہ ہوتا ہے بلکہ اس میں مٹھاس ہوا کرتی ہے...... ایک ایسی آہ ہوا کرتی ہے جو تاثیر رکھتی ہے اس کی رسائی باب اجابت تک ہوا کرتی ہے اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

دور حاضر میں صوفی لباس سے نہیں جانا جاتا ہے بلکہ اپنے کردار وعمل سے جانا جاتا ہے...... خوبصورتی اور ظاہری حسن وجمال سے نہیں بلکہ صفائے قلب اور لطافت باطن سے جانا جاتا ہے...... صوفی ہونے کے لیے کسی نعرہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ خدائے برتر وبالا کی مخلوق کے لیے کیا کر رہا ہے اور کیا کرنے کا ارادہ

رکھتا ہے ......وہ خانقاہیں جہاں صوفیوں کو تعلیم دی جاتی تھیں اور ان کے کردار و عمل سنوارے جاتے تھے اور ان کے باطن میں نور بھرا جاتا تھا اور نکہتوں سے معمور کیا جاتا تھا آج وہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ بات سب کو معلوم ہے...... مدارس اور جامعات تو کسی نہ کسی نہج پر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں اور آئندہ بھی نبھاتی رہیں گی ......مگر وہ افراد ذرا سوچیں تو سہی جو خانقاہوں میں بیٹھ کر موج و مستی کر رہے ہیں اور مزارات پر بیٹھ کر ان کی نگرانی کرنے کے بجائے خلاف شرع حرکتیں کر رہے ہیں اور اصلاح کے بجائے مفاسد و خرافات کو جنم دے رہے ہیں ......انہیں خرافات کی اصلاح کا نام تصوف ہے......آج صوفیوں کی تعداد ان گنت ہے گلی کوچوں میں صوفی حضرات گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں ......کوئی نماز نہیں پڑھتا......کوئی روزہ نہیں رکھتا ہے...... کسی کی آنکھ میں مروت نہیں ہوتی ......اور کچھ ایسے بھی ہیں جو الٹے سیدھے کام کیا کرتے ہیں کیا ایسے ہی لوگوں کو صوفی کہا جائے؟ نہیں! تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کسے صوفی کہا جائے؟ اور تصوف کیا ہوا کرتا ہے؟

یوں تو اب تک جو گفتگو کی گئی اس سے اس بات کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تصوف کیا ہے اور کون لوگ صوفی ہوا کرتے ہیں؟ اس کے باوجود تصوف کی فنی تعریف پیش کی جا رہی ہے۔

جب ہم نے اس کی فنی تعریف کے لیے کتابوں کا رخ کیا اور ان کا مطالعہ کیا تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ تصوف مختلف علوم و فنون کے مجموعہ کا نام ہے اسی میں ''علم سلوک'' بھی شامل ہے اور ''علم اخلاق'' بھی ...... علم شریعت بھی داخل ہے اور علم طریقت بھی ...... علم اذکار بھی اس کا جزو ہے اور علم معاملات بھی۔ اسی طرح علم اخلاص بھی اسی میں شامل ہے جیسا کہ ''مجمع السلوک'' میں ہے۔

وفی "مجمع السلوك": ان اشرف العلوم علم الحقائق والمنازل والاحوال ،وعلم المعاملة والاخلاص فی الطاعات والتوجه الی الله تعالیٰ من جميع الجهات ويسمی هٰذا العلم بعلم السلوك. فمن غلط فی علم

الحقائق والمنازل والاحوال المسمی بعلم التصوف فلا یسئل عن غلطه الا عالما منهم کامل العرفان..

(مقدمه کشاف اصطلاحات الفن و العلوم ص ۴۲)

ترجمہ...... مجمع السلوک میں ہے ......علوم وفنون میں سب سے زیادہ شرف و بزرگی والا ''حقائق ومنازل اور احوال کا علم ہے اور علم معاملہ بھی ہے......تمام طاعتوں میں اخلاص کا پایا جانا اور ہر قسم کے معاملات میں ہر جہت سے توجہ الی اللہ کی کیفیت کے پائے جانے کو ''علم سلوک'' کہا جاتا ہے اور جب انہیں مذکورہ علوم میں کمال توجہ اور شدید انہماک پایا جائے تو اسی کو ''علم تصوف'' سے موسوم کیا جاتا ہے......اس علم کے بارے میں انہیں سے کوئی سوال کیا جائے جو اس فن کا ماہر ہو اور اس میں کامل عرفان رکھتا ہو......

☆......تصوف کوئی ایسا آسان اور سہل علم نہیں ہے جسے ہر کوئی جان لے اور پہچان لے بلکہ یہ بڑا اہم اور مشکل ترین علم ہے۔ اس وادی میں وہی اتر سکتا ہے جو ذہین وفطین ہوتا ہے جیسا کہ حضور ملک العلماء الشاہ مولانا محمد ظفر الدین صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

علم التصوف علم لیس یعرفه الا اخو فطنة بالحق معروف ولیس یعرفه من لیس یشهده و کیف یشهد ضوء الشمس مکفوف...

(حیات اعلیٰ حضرت ج ۲ر، ص ۶۹ر)

ترجمہ......علم تصوف وہ علم ہے جس کو نہیں پہچانا جا سکتا ہے مگر وہ تیز ذہین جو حق کیساتھ معروف ومشہور ہے......اور اس کو نہیں جان سکتا ہے مگر وہ جو اسے مشاہدہ کر سکے اور اس کا مشاہدہ تو وہی کر سکتا ہے جس کے پاس اسکے مشاہدہ کرنے کے لیے آنکھ ہو کسی چڑھتے ہوئے سورج کا وہ کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے جو خود روشنی سے محروم ہو۔۔

تصوف کا علم کس قدر دقیق ہے اور کس قدر اس کا سمجھنا مشکل ہے؟ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مگر اس دور کے لوگوں نے اسے کس قدر آسان بنا دیا ہے یہ ایک ایسا

المیہ ہے جو رہ رہ کے ہر دانشور کو اذیت دے رہا ہے......اس بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی ہی ایک ایسے انسان ہیں جو ہر اعتبار سے ذہین بھی تھے اور فطین بھی......اور اس میں بھی کسی کو تردد نہیں ہوسکتا ہے کہ امام احمد رضا اپنے دور میں حق کے ساتھ مصروف تھے اور ان کے پاس کمال بصارت بھی تھی اور کمال بصیرت بھی......ان کا مزاج تصوف کے مزاج سے ہم آہنگ بھی......علم حقائق، علم منازل اور علم احوال سے بھی کامل طور آشنا تھے......انہوں نے جو بھی کام کیا اللہ تعالی کے بندوں کی رہنمائی کے لیے کیا جو خدمات انجام دیں ان میں خلوص کا مظاہرہ کیا......ان کے تمام کارناموں میں ''توجہ الی اللّٰہ'' کی کیفیت پائی جاتی تھی......اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ صحیح معنی میں آپ ہی ''صوفی'' تھے اور آپ ہی کے پاس ''تصوف'' کا وافر علم تھا......اسی لیے تو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' میں تصوف'' کے تعلق سے تصنیفات پائی جاتی ہیں ذیل میں ان کی تصنیفات کا ذکر کیا جارہا ہے

الف......علم سلوک۔

اس علم میں اعلیٰ حضرت کی دو کتابیں ہیں

☆...الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ

☆...نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ

ب......علم الاخلاق۔

اس علم سے فضائل اور ان کے حاصل کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے......تا کہ انسان ان کو حاصل کرے اور اپنے نفس کو مزین کرے یہی وہ علم ہے جو انسان کو رذائل اور ان سے بچنے کے طریقوں سے آگاہ کرتا ہے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس بارے میں دو کتابیں تحریر کی ہیں

☆...شرح الحقوق لطرح العقوق

☆...مشعلۃ الارشاد الی حقوق الاولاد

ج......علم تصوف

اس علم میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تین کتابیں تصنیف فرمائیں ......ان کتابوں کے علاوہ فتاوی کی شکل میں تصوف کے تعلق سے مختلف مسائل بھی بیان کیے ہیں۔

☆... كشف حقائق واسرار و دقائق

☆... بوارق تلوح من حقيقة الروح

☆... التلطف بجواب التصوف

د......علم اذکار

جو انسان صاحب ایمان، اخلاق و مروت سے مزین ہوا کرتا ہے اور طبعی طور پر تصوف کے مزاج سے آشنا ہوا کرتا ہے وہ ذکر وفکر میں منہمک رہا کرتا ہے اوراوراد وظائف ان کا خاص مشغلہ رہا کرتا ہے اسی لیے بزرگوں نے اوراد وادعیہ کے بارے میں کتابیں تحریر کی ہیں...... اس بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً......

☆... ازهار الانوار من صبا صلاة الاسرار

☆... زهر الصلاة من شجرة اكارم الهداة

☆... العروس المعطار فی زمن دعوة الافطار

☆... المنة الممتازة فی دعوات الجنازة

☆... ماقل و كفى من ادعية المصطفى ﷺ

بہر حال اس باب سے واضح ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تصوف کے تعلق سے بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں...... چونکہ آپ کو زندگی کے تمام شعبوں میں کام کرنا تھا اور آپ نے اسے انجام دیا اور خاص طور پر ''علم تصوف'' پر بھی کام کیا......اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت پر تصوف کا عمومی رنگ چھایا ہوا ہے اس لیے کہ جملہ علوم وفنون میں ''توجہ الی اللہ اور اخلاص پائے جاتے ہیں اور اوراد پر جن کتابوں کا ذکر کیا

گیا ان میں تصوف کا خاص رنگ پایا جاتا ہے...... یہ باب بھی ختم ہونے کو ہے مگر قبل اس کے اس باب کو مکمل کر دیا جائے تصوف کے تعلق سے کچھ اہم باتیں پیش ہیں۔

☆......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بافیض صحبت سے مستفید ہونے والے افراد ''صحابی'' کہلاتے ہیں اور جنہوں نے ''صحابی'' کی صحبت سے استفادہ کیا انہیں ''تابعی'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اختلاف اور افتراق کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور بدعتوں کا ظہور ہوتا ہے......ان میں سے جو دین کے معاملہ میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا اور عبادت وریاضت میں ذوق وشوق سے کام لیتا تھا لوگ انہیں ''زاہد و عابد'' کہنے لگے اور جس گروپ میں زاہدوں اور عابدوں کی کثرت ہوا کرتی تھی لوگ انہیں اچھا اور بہتر تصور کیا کرتے تھے......مگر افسوس اس بات پر تھا کہ بدعتی لوگوں نے زاہدوں اور عابدوں کا لبادہ زیب تن کر لیا اور پھر اپنی بناوٹی اور تصنع والی عبادت سے نہ جانے کتنے لوگوں کو گمراہ کیا اس کا شمار نہیں ہو سکتا......

☆......اہل سنت وجماعت میں سے جو خاص افراد تھے اور اس مزاج کے حامل تھے کہ عبادت وریاضت میں مخلص تھے اور ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کے طالب تھے انہیں ''صوفی'' کہا گیا اور ان کے اس خاص عمل و کردار......اور ذوق وشوق کو ''تصوف'' کا نام دیا گیا۔۔۔

ثم ظهرت البدعة وحصل التداعي بين الفرق فكل فريق ادعوا ان فيهم زهاد عباد فانفرد خواص اهل السنة المراعون انفسهم مع الله سبحانه وتعالىٰ الحافظون قلوبهمعن طوارق الغفلة باسم التصوف واشتهر هٰذا الاسم لهٰؤلاء الاكابر قبل امأتين من الهجرة واول من سمي بالصوفي ابو هاشم الصوفي المتوفى سنة ۱۵۰ خمسين ومائة.....

(كشف الظنون ج ۱، ص ۴۱۲-۴۱۳)

ترجمہ...... پھر بدعت ظاہر ہوئی تو فرقوں کے مابین ہوڑ جوڑ شروع ہوگئی۔ ہر ایک فرقہ دعویٰ کرنے لگا کہ عابد وزاہد ہم میں ہیں ...... اس صورت کے پیش نظر خواص اہل سنت جنہوں نے اللہ کے ساتھ اپنے آپ کو مشغول کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کی راہوں سے محفوظ کر لیا اور غیروں سے ممتاز ہونے کے لیے اپنے آپ کو ''تصوف'' کے نام سے موسوم کر لیا...... دوسری صدی ہجری سے کچھ پہلے انہیں خواص اکابر کے لیے ''تصوف'' کا نام مشہور ہوا...... سب سے پہلے حضرت ابو ہاشم کے نام کے ساتھ لفظ ''صوفی'' کا استعمال کیا گیا...... ابو ہاشم کا وصال سن ۱۵۰ھ میں ہوا......

یہی سبب ہے کہ اہل سنت ہی میں ''صوفیا'' کی جماعت ملتی ہے...... دوسرے باطل فرقوں میں یہ جماعت نہیں ملتی ہے...... ہر دور میں یہ باطل فرقے صوفیا کے خلاف رہے ہیں اور آج بھی ان کی مخالفت میں ڈٹے ہوئے ہیں ...... مگر اہل سنت وجماعت نے کل بھی انہیں حبذا کہا ہے اور آج بھی کہنے کو تیار ہے ...... یہ جماعت سلامت رہے اور صدیوں سلامت رہے...... مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والے اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں

☆☆☆☆☆

بابِ ہشتم

مسلکِ اعلیٰ حضرت اور اس کی معنویت

مسلک اعلیٰ حضرت ......ایک ''عظیم اسکول'' اور زبروست ''دبستاں'' ہے اس کی شاخیں زندگی کی مختلف جہتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔اس میں نشرواشاعت......فروغ وارتقا کی ساری صلاحتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں ان کے علاوہ ان کے امکانات اور رجحانات بھی روشن ہیں۔یہی وجہ ہے کہ تقریباً سو سال سے اہل علم اور اہل قلم برابر لکھتے آرہے ہیں، تحقیق کرنے والے تحقیق کررہے ہیں۔غوروفکر کرنے والے غوروفکر کررہے ہیں اس کے باوجود اس کے امکانات ورجحانات میں دن بدن اضافہ ہی ہورہا ہے اور اس کی وسعتیں پھیلتی ہی جارہی ہیں ......سچ ہے جسے خدائے پاک بڑھائے اسکو بڑھنے سے کون روک سکتا ہے؟اسی لیے کسی کہنے والے نے بڑی اچھی اور پیاری بات کہی ہے کہ

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے میں نے لکھا اور مجھ جیسے ہزاروں افراد نے لکھا

مجھ سے پہلے کے لوگوں نے بھی لکھا اور میرے دور میں بھی لکھا اور برابر لکھا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" ایک ایسا پر جوش سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں اور اس کی گہرائی کا یہ عالم کہ اب تک کسی نے اس کی گہرائی میں اترنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے تو پھر کسے جرأت کہ کوئی اس کی گہرائی کو ناپ سکے...... یہ مسلک اعلیٰ حضرت کی معنویت ہی تو ہے جو چاند و سورج کی مانند چمک اور دمک رہی ہے......

مسلک اعلیٰ حضرت میں جہاں ارتقا کی کیفیت پائی جاتی ہے وہیں اس میں دفاع کی توانائی بھی پائی جاتی ہے اور جو اس کی ترقی کی راہ میں روڑے بن کر آڑے آتا ہے اس کے تدارک کے مختلف وجوہ پائے جاتے ہیں...... تدابیر...... موانع اور اقدامات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ برسوں سے اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور تجربہ کرنے والے اس کا تجربہ کر رہے ہیں اور آزمانے والے اس کو آزما بھی رہے ہیں...... کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف لکھنے والوں نے لکھا...... شعلہ بار آنکھوں نے شعلے برسائے...... غیض وغضب میں ڈوبی ہوئی تحریریں بھی لکھی گئیں...... مگر کیا ہوا...... مسلک اعلیٰ حضرت کا کیا بگڑا؟ ہاں اس کا سب کچھ ہو گیا جس نے اس کی مخالفت کی تھی...... اس کی شخصیت مجروح ہوئی...... اس کا وقار خاک آلود ہوا...... اس کے قلم کا تیور جاتا رہا...... اس کے باز ※ وں کی قوتیں شل ہو گئیں مگر مسلک اعلیٰ حضرت کا باغ و بہار آج بھی تازہ ہے اور اسی طرح یہ تازہ ہی رہے گا۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا پیغام:

مسلک اعلیٰ حضرت نے اپنے چاہنے والوں کو بہت کچھ دیا ہے جس دور میں ہر ایک انسان اپنے پاؤں تلے انگارے ہی انگارے دیکھ رہا تھا...... چنگاری ہی چنگاری دیکھ رہا تھا اور زمیں پر قدم رکھنے کے لیے کوئی جگہ باقی نہ تھی...... وہ یہی مسلک اعلیٰ حضرت تھا جس نے اپنی پلکوں سے انگاروں کو سرد کیا، شعلوں کو ٹھنڈا کیا اور پھر لوگوں اور نبی کی امت کو دعوت دی کہ اب زمین پر جہاں چاہو قدم رکھو ہم نے سب کچھ صاف کر دیا ہے اور دین

اسلام کو آسان بنا دیا ہے...... پہلے قدم رکھنا مشکل تھا اور اب آسان کر دیا ہے...... راہ صاف ہے شفاف ہے...... غیروں سے بچ کر چلو...... ان کی جانب ذرا بھی التفات نہ کرو کہ اسی میں بھلائی ہے اور آسانی ہی آسانی ہے جو ان سے ملتا ہے وہ اپنے لیے دین کو مشکل بنا رہا ہے اور کانٹوں بھری زندگی کو اپنے لیے فردوس جہاں تصور کر رہا ہے مگر افسوس ان اپنوں پر ہے جنہیں سیدھا الٹا نظر آتا ہے اور الٹا سیدھا دکھائی دیتا ہے جیب و داماں کے اس ادھیڑ بن کو کیا کہا جائے؟ ہیہات ہیہات...... افسوس افسوس...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دین وایماں اور عقیدہ کے معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہ کر کے جلال فاروقی کا تیور پیش کیا ...... اور جب اخلاق ومدارات کی بات آئی تو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے یہاں جو نرمی اور حلاوت پائی جاتی ہے وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اب ذیل میں کچھ اسی طرح کی باتیں پیش کی جا رہی ہیں......

جیسا کہ امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں...... ملاحظہ ہو

☆...... **مقدمہ عاشرہ**...... حضرت حق جل وعلانہ ہمیں یہ تکلیف دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع نفس الامر میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے اور قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا...... نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شئے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رو سے طیب وطاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم۔ اور حرج مدفوع بالنص قال تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج وقال تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ...... اے عزیز! یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا۔ جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اس کے لیے سخت ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اُٹھائے گا...... (فتاوی رضویہ، ج ۲ ص ۱۰۶)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا دین، دین اسلام ہے جو نہایت ہی آسان ہے

اور ہر اعتبار سے سہولت کا باعث ہے مگر اس سہولت کا یہ مطلب نہیں کہ پابندی سے نماز ادا نہ کی جائے، روزہ نہ رکھا جائے، زکوٰۃ ادا نہ کی جائے کہ اس سے مال گھٹتا ہے...... اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ سب سے ملو...... شیعہ سے بھی، وہابی اور دیوبندی سے بھی ...... جتنے باطل فرقے ہیں سب کو اپنا دوست بناؤ کہ دین آسانی کا نام ہے دشواری اور پریشانی کا نام نہیں ہے...... اگر دین کی آسانی کا سہارا لے کر کوئی سب سے ملنا جلنا شروع کر دے تو دین دین کہاں رہے گا؟ ایک مذاق بن کر رہ جائے گا...... میں یہ باتیں اس لیے تحریر کر رہا ہوں کہ کچھ افراد اسی قسم کی راگ الاپ رہے ہیں اور دین کے آسان ہونے کا سہارا لے کر غیروں سے خوب مل رہے ہیں ان کی محفلوں میں جا رہے ہیں...... دین آسان ہے اس سے کسی کو تردد نہیں ہوسکتا ہے مگر دین کی یہ آسانی کہاں مفید؟ اور کہاں نقصان دہ؟ یہ ضابطہ کہیں نہیں ملے گا...... کسی کے پاس جاؤ گے حسرت ومحرومی ہی ہاتھ آئے گی...... یہ ضابطہ اگر کہیں ملے گا تو وہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے اور فتاویٰ رضویہ ہے تو پھر دیکھیے اس بارے میں کیا ضابطہ ہے:

پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پرواہ نہ کرے...... اور اتیان مستحب وترک غیر اولیٰ پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے...... اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع وتنزہ کے لیے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ائتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع سے مناقض ہیں۔۔ (فتاوی رضویہ ۲/ ۱۱۱۔ ۱۱۲)

مسلک اعلیٰ حضرت کا یہ ضابطہ کہیں باعث سہولت اور کسی کے لیے تازیانہ عبرت ہے...... خاص کر ان لوگوں کے لیے جو دین کی سہولت کا سہارا لے کر ''صلح کلیت'' کو فروغ دے رہے ہیں انہیں اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ باطل فرقوں سے ملنا اور ان کے ساتھ راہ ورسم کو بنائے رکھنا شریعت میں منہی عنہ اور حرام ہے اور جب وہ حرام ہے تو اس

کومدارات خلق پر مقدم رکھا جائے اور اس کے بجالانے میں کسی کے ساتھ رو رعایت نہ کی جائے اور جہاں مستحب اور غیر اولیٰ پر عمل کرنے کی بات ہے تو اس بارے میں بہر حال ارضائے خلق کو مقدم رکھنا ضروری ہے......اسی کی وضاحت امام احمد رضا نے درج ذیل عبارت میں کی ہے لگے ہاتھ اسے بھی ملاحظہ فرمالیں

☆......ہاں شبہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہوتا سمجھے ......اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط و ورع میں کسی امر اہم وآکد کا خلاف لازم نہ آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے مثلاً مسلمان نے دعوت کی یہ اس کے مال و طعام کی تحقیقات کررہے ہیں۔کہاں سے لایا؟ کیونکر پیدا کیا؟ حلال ہے یا حرام؟ کوئی نجاست اس میں نہیں ملی ہے کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اسے ایذادینا ہے خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم ومحترم ہو جیسے عالم دین یا سچا مرشد یا ماں باپ یا استاد یا ذی عزت مسلمان سردار قوم تو اس نے اور بیجا کیا ......ایک تو بدگمانی ......دوسرے موحش باتیں ......تیسرے بزرگوں کا ترک ادب۔(فتاوی رضویہ ۲/۱۱۱)

اس مذکور بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ دین کی سہولت کا کہاں سہارا لیا جائے اور کہاں نہ لیا جائے ......اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت میں جہاں جزئیات کی کثرت ہے وہیں کلیات بھی ہیں اور اصول بھی ......انہیں اصول وکلیات نے مسلک اعلیٰ حضرت میں نمو کی ساری صلاحتیں پیدا کردی ہیں اور اسے انجمادی کیفیت سے دور ونفور کردیا ہے......مسلک اعلیٰ حضرت کے ہوتے ہوئے جو افراد اِدھر اُدھر جارہے ہیں ان پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ تازہ وروح پرور دبستاں ہونے کے باوجود خاروں میں اپنے دامن کو کیوں الجھا رہے ہیں؟ یہ باعث حیرت ہے۔۔۔

☆☆☆☆

خلاصۂ ابواب

”مسلک اعلیٰ حضرت“

ایک اصطلاح ہے اور ایسی اصطلاح ہے جس پر ہند و پاک اور ایشیا کے دوسرے ممالک کے افراد اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے......اتفاق کرنے والوں میں اہل علم ارباب فکر وفن شامل ہیں......اس کے علاوہ عوام اہل سنت بھی اتفاق کرتے ہیں......یہ اتفاق کسی بھی نوع اور کسی بھی جہت سے غلط نہیں ہے......

مسلک اعلیٰ حضرت اور اس کے اطلاقات

”مسلک اعلیٰ حضرت“ کا اطلاق مختلف طریقوں سے ہوا کرتا ہے......ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

الف......اس کا پہلا اطلاق ”حقیقی“ کہلاتا ہے اس صورت میں اس سے مراد وہ معانی لیے جائیں گے جن پہ ”مسلک اعلیٰ حضرت“ مشتمل ہے......اس کے تمام مشمولات کا ذکر کر دیا گیا ہے اور اس کے تعلق سے بہت کچھ سامنے آچکا ہے......اسی اطلاق حقیقی کا سہارا لے کر ہمارے علمائے کرام نے الہ آباد کے سیمینار میں یہ طے کیا کہ

برائے تعیین ”مسلک اعلیٰ حضرت“

”مسلک اعلیٰ حضرت“ سے مراد وہ اعتقادات واعمال ہیں جن کی آئینہ دار تصانیف

اعلیٰ حضرت ہیں۔ ان سے انحراف کی اجازت نہیں دی جائے گی سوائے اس صورت کے جب کہ فروع فقہیہ میں سے کسی مسئلہ میں حکم کی تبدیلی کے لیے معتمد عصر اساطین مسلک اعلیٰ حضرت کے روبرو تحقق ضرورت یا حاجت کے ثبوت کے بعد طریق تغییر کے جواز پر کیے ہوئے استدلال کی صحت کو ثابت کر دیا جائے۔۔۔

ب...... مسلک اعلیٰ حضرت کا دوسرا اطلاق بطور مجاز ہوا کرتا ہے اور جس معنی پر اس کا اطلاق ہوا کرتا ہے اسے ''مجازی معنی'' کا نام دیا جاتا ہے...... مجازی معنی کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص ہوا کرتا ہے۔۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا ''معنی عام''

سُنّی وہ ہے جو ما انا علیه و اصحابی کا مصداق ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفائے اسلام اور مسلم مشائخ طریقت، اور متأخرین علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء، سند الفضلاء، بحر العلماء صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، و اعلیٰ حضرت مولانا فضل رسول بدایونی حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین رامپوری و اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدست اسرارہم کے مسلک پر ہو۔ (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس) اس معنی کے اعتبار سے مسلک اعلیٰ حضرت تمام باطل فرقوں کے مقابلہ میں بولا گیا...... چاہے وہ فرقہ شیعہ ہو یا معتزلہ ہو...... یا غیر مقلد وہابی اور دیوبندی ہو غرض یہ کہ شروع سے لے آخر تک ہر ایک باطل فرقہ کے لیے اس کی وضع ہوئی ہے...... کیسے اور کیوں؟ اس کے لیے فکر و استدلال کی حاجت ہے...... اسی معنی عام کے اعتبار سے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' تمام باطل فرقوں سے ''فرقہ ناجیہ'' کو ممتاز کرتا ہے۔ چاہے وہ شیعہ فرقہ ہو یا قدریہ...... معتزلہ فرقہ ہو یا غیر مقلدیہ...... غرض کہ ان تمام بہتر فرقوں سے مسلک اعلیٰ حضرت ممتاز و منفرد کر رہا ہے جن کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے اس لیے مسلک اعلیٰ حضرت کے ''حد فاصل'' ہونے میں کسی کو کسی طرح کا شک و تردد نہیں ہونا چاہیے۔۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا معنی خاص

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دور سے لے کر اب تک اور اس کے بعد بھی "مسلک اعلیٰ حضرت" سے وہ معانی، اعتقادات واعمال اور نظریات مراد لیے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں سے ہم منفرد اور ممتاز دکھائی پڑتے ہیں ......اس میں وہ نظریات بھی شامل ہیں جن کی بنیاد پر ہم سب کو "بریلوی" کہا جاتا ہے ...... بریلوی کوئی نیا فرقہ یا کوئی نئی جماعت نہیں ہے بلکہ اسی "فرقہ ناجیہ" کا لقب ہے اور اسی کا دوسرا نام ہے جو شناخت کی حیثیت رکھتا ہے اور دیوبندی ووہابی کے لیے حد فاصل ہے ......لقب کوئی بھی ہو وہ ذات و مسمی کو ممتاز کرتا ہے نہ کہ اسے نیا بنا کر پیش کرتا ہے یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جس پر اہل علم حضرات کا اتفاق ہے۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نہم

عرفانِ مذہب ومسلک غیر شعوری عمل کا نتیجہ

مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب ہماری جماعت کے اکابر قلمکاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کا قلم بڑا ہی رواں دواں چلتا ہے۔تاریخی تسلسل کے سائے میں آپ سفر کرتے ہیں اور ناہموار راہوں سے بچتے ہوئے اپنی منزل کی جانب تیز گامی سے کام لیتے ہیں۔ان کی تصانیف ایک دو نہیں، درجن سے زائد ہو چکی ہیں، جو بہت سے قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔۔۔۔۔۔ابھی حال ہی میں ان کا ایک کتابچہ منظر عام پر آیا ہے یہ کتابچہ ۴۸ رصفحات پر مشتمل ہے جس کا نام "عرفان ومذہب ومسلک" ہے یہ کتابچہ بغیر کسی تمہید اور کسی بیان ضرورت کے شروع کر دیا گیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ کتابچہ نہایت ہی عجلت میں لکھا گیا ہے، اس لیے حضرت نے نہ تمہید کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی "بیانِ ضرورت" کی۔۔۔۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "عرفان مذہب ومسلک" کی بات کی جارہی ہے یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے لیے برسوں عرق ریزی کی جاتی ہے خون پسینہ ایک کیا جاتا ہے اس کے بعد ہی اس کا شعور آتا ہے چلتے پھرتے اس کا شعور آجانا ہماری سمجھ سے باہر ہے یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی یہ کوشش غیر شعوری ہے یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ذہن کسی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔

۔۔ جب یہ کتابچہ ہمارے سامنے آیا تو ہمیں حیرت ہوئی کہ حضرت کے قلم فیض رقم سے "عرفان ومذہب ومسلک" میں اس قدر شدید ابہام اور ناکام ترسیل؟ حیرت ہے جو کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہے یہ مسلک بھی کوئی چیستاں ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔۔۔ب۔؟ چونکہ ہم سے اس کتابچہ کے بارے میں رائے مانگی گئی تھی اس لیے میں اپنے تأثرات اپنے قارئین کے سامنے پیش کررہا ہوں اگر کوئی لفظ یا جملہ خلاف توقع صادر ہوجائے ہم پیشگی معافی کی درخواست کرتے ہیں اس کتابچہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اب ہندوستان میں کوئی بھی "مسلک اعلیٰ حضرت" نہ لکھے نہ بولے اور نہ ہی کوئی خطیب اپنی تقریر میں اس کا استعمال کرے اور نہ کوئی "مسلک اعلیٰ حضرت" کا نعرہ لگائے یہ کوشش نہ خلوص پر مبنی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی سچائی پائی جاتی ہے اسی لیے اس کوشش کے منظر عام پر آتے ہی مخالفت شروع ہوگئی اور اس کے رد میں مضامین لکھے جانے لگے لوگوں نے اس کے خلاف تأثرات پیش کیے کاش اس میں سچائی ہوتی تو مخالفت کا یہ دور شروع نہ ہوتا اور نہ ہی دلوں میں کرب واضطراب کی صورت پیدا ہوتی۔۔۔۔۔ہاں ہاں! مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح میں ہمارے بزرگوں کا خلوص شامل ہے۔ ان کے دلوں کے جذبات تھے جو اس اصطلاح کے حرف حرف سے مترشح ہورہے ہیں۔ اسی لیے اس دور کے علما نے اس کی مخالفت نہ کی اور نہ اِس دور کے علما اس کے خلاف چلنے میں اپنی بھلائی تصور کرتے ہیں اور یہ بات حقیقت ہے کہ "مسلک اعلیٰ حضرت" کی مخالفت آج بھی نہ ہوتی اور نہ ہی کوئی اس کی جرأت کرسکتا تھا مگر اس کی مخالفت کے پس پردہ بات ہی کچھ اور ہے؟ کہا جاتا ہے انسان تو بہرحال انسان ہے آخر اس کے بھی نفسیات ہیں۔۔۔۔۔۔جو کسی نہ کسی دباؤ میں آجاتے ہیں اور پھر مخالفت کے سنگریزے فضاؤں میں رقص کرنے لگتے ہیں کیسے کیسے افراد اس دباؤ کے شکار ہوجاتے ہیں؟ اس کتابچہ سے اس کا اندازہ ہوجاتا ہے جو ابھی ابھی منظر عام پر آیا ہے ایک طرف حقیقت کے جلوے ہیں اس کے کرشمے ہیں اور دوسری جانب نفسیاتی دباؤ کے اندھیرے ہیں اب ہمارے قارئین کو یہ فیصلہ لینا ہے کہ انہیں کرشمے

چاہیے جلوے چاہیے یا پھر انہیں اندھیرے چاہیے؟ یہ فیصلہ جلد بازی میں نہ کیا جائے۔۔۔ کہ جلد بازی کے فیصلے کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے ہیں اور خش وخار کی مانند اُڑ جاتے ہیں اور اس کے اُڑے جانے کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے اس لیے ہماری اپیل ہے فیصلہ لیجئے مگر سوچ سمجھ کر۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے سبھی پڑھے لکھے بھائیوں سچ بات کہنیا ور سچ فیصلہ لینے کی توفیق عطا کرے صحیح عرفان اور بہتر ذوق نصیب کرے۔۔۔۔

حضرت مصباحی صاحب نے اپنے اس کتابچہ کی ابتدا اس شعر سے کی ہے ؎

فیضانِ محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں
اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ محبت کا فیضان آسمانی بارش کی مانند عام ہے مگر اس سے کسے عرفان حاصل ہوتا ہے؟ اور کسے حاصل نہیں ہوتا ہے یہ اللہ کی توفیق پر ہے جسے وہ توفیق عطا کرے اسی کو عرفان حاصل ہوتا ہے اس دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ایسے افراد ہیں جو رحمت ومحبت اور لطف وکرم کے سائے میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا عرفان نہیں کاش ایسا ہوتا تو اس وقت اس جہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔۔۔۔ ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک انسان کو اس کے انسان ہونے کی حیثیت سے فکر دی ہے۔۔۔۔ شعور دیا ہے۔۔۔۔ علم بھی دیا ہے۔۔۔۔ اور عرفان سے نوازا بھی ہے یہ اس کی عطا ہے جسے انسان اپنی حیات کی کسی ساعت میں فراموش نہیں کر سکتا۔۔۔۔ اس کے باوجود ایک اور وصف خاص ہے جسے ہم صحیح ادراک اور صحیح عرفان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ سب کو نصیب نہیں ہوتا کچھ ہی ایسے افراد ہیں جنہیں یہ نصیب ہوا ہے اس سے سرفراز ہونے والے انسان بڑے ہی صالح اور سعید ہوا کرتے ہیں، یہی افراد باتوفیق ہوا کرتے ہیں عرفان اگر اس کی عطا ہے تو صحیح عرفان اس کا فضل ہے۔ اور اس کا خاص لطف وکرم ہے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم یہ اللہ کا

فضل ہے جسے چاہے اسے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔۔۔۔۔۔۔دور حاضر میں جو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے ماننے والے ہیں اور جو اس کے سایہ میں اپنے لمحات حیات گزار رہے ہیں اس خوش بختی اور اقبال مندی سے بہرہ ور ہیں کہ وہ اس منتخب طبقۂ انسانی اور افراد امت محمدی میں شامل ہیں جو سنت اور وراثت نبوی کے حامل اور امین ہو کر صراط مستقیم پہ گامزن ہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور نعمت لازوال سے شادکام ہیں اور شاداں و فرحاں ہیں یہاں بھی خوش ہیں اور آخرت میں بھی خوش رہیں گے۔۔۔۔۔۔ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہو کہ'' آپ نے'' مسلک اہل سنت'' کیوں نہیں کہا؟ اس کی جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال کیوں کیا؟ اس سوال واعتراض کا ہم احترام کرتے ہیں اس کی قدر کرتے ہیں مگر یہ بات بھی آپ جان لیجیے کہ ہم نے ''مسلک اہل سنت'' کی جگہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا استعمال کر کے اتنا برا نہیں کیا جتنا برا اسے سمجھا جارہا ہے ایسے ہی لوگوں سے سوال ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ ''مسلک اہل سنت'' معبر عنہ ہے اور ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اس کی تعبیر ہے اور قاعدہ ہے جب تعبیر موجود ہو تو معبر عنہ کی ضرورت نہیں پڑتی اور اگر معبر عنہ کا استعمال ہی واجب وضروری ہوتا تو پھر بلاضرورت اس کی تعبیر کس وجہ سے کی گئی؟ صرف اس لیے کہ اس تعبیر کو طغری بنا کر اپنے گھروں کے طاقوں میں سجالیا جائے اور بس! اس کے سوا اس کا اور کوئی کام نہیں ہے۔۔۔۔اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ اعتراض کہاں کہاں پہنچے گا؟ اور کس کس کے جیب وگریباں چاک کرے گا شاید آپ کو خبر نہ ہو اس لیے یہاں صرف عرفاں کی ضرورت نہیں بلکہ صحیح عرفاں کی ضرورت ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ صحیح عرفاں کی عظیم دولت آپ کے پاس نہیں ہے۔ ۔۔۔۔ہے اور بہت زیادہ ہے مگر اس مسئلہ میں اس کا استعمال نہیں کیا جارہا ہے؟ آخر کیوں؟ یہ بھی فضل ربانی ہے اسے بھی استعمال میں لایا جائے کہ اس کا فضل اسی پر ہوتا ہے جو اسے صرف میں لاتا ہے جس طرح رزق وہی ہوتا ہے جسے کھایا جائے اور جسے نہ کھایا جائے اسے ہم رزق ہی نہیں کہیں گے اگر چہ دانشوروں نے اسے رزق سے تعبیر کیا ہے اس

لیے ہمارا مشورہ ہے اگر خدائے پاک نے اپنے فضل ونوال سے نوازا ہے تو اسے استعمال میں لایا جائے کہ اس عطیہ ربانی پر شکر ادا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے

صحیح عرفان کیا ہے؟:

کسی بھی شئی کے تعلق سے اس کے نفس الامری حیثیت کو جاننا ''صحیح عرفان'' ہوتا ہے ظن ووہم کی صورت میں کسی کو جاننا یا شک وشبہ کے سایہ میں اسے سمجھنا کچھ اور تو ہوسکتا ہے مگر صحیح عرفان نہیں ہوسکتا ہے اسی صحت عرفاں کے لیے خانقاہوں میں مجاہدہ کرا یا جاتا ہے اور مدرسوں میں ۷ر۸ رسالوں تک محنت وجانفشانی سے تعلیم دی جاتی ہے تب کہیں جا کر بہتر فکر وشعور اور صحیح عرفاں حاصل ہوتے ہیں تاریخی تسلسل کے مطالعہ سے سطحیت کا علم ضرور ہوتا ہے مگر اس سے صحیح عرفاں حاصل ہوا ایسا نہیں ہوتا ہے

صحیح عرفان کس طرح حاصل ہو؟:

صحیح عرفاں کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں مثلاً

الف....... کسی بھی شئی کا صحیح عرفاں اس کی نفس الامری حیثیت سے حاصل ہوتا ہے۔

ب....... کسی بھی شئی کا اس کی علامتوں کے تناظر میں مطالعہ کیا جائے تب کہیں اس کا عرفاں صحیح ہوتا ہے۔

ج....... کسی بھی شئی کا مطالعہ اس کی مالہ اور ماعلیہ کی حیثیات کے آئینہ میں کیا جائے۔

د....... جب کوئی شئی مبہم ہوتی ہے تو اس کا مطالعہ اس کے مضاف الیہ کے سہارے کیا جائے جیسے مذہب اور مسلک کہ ان دونوں کا مطالعہ ان کے مضاف الیہ کے بغیر نہیں کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔کسی بھی حقیقت کے مطالعہ میں اس کی مختلف تعبیروں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے ان تعبیروں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے

ش۔۔۔۔۔۔ مختلف تعبیروں کی ضرورت کس لیے پیش آئی؟ مسلک اور مذہب کے مطالعہ میں اس کو کافی اہمیت حاصل ہے

ص۔۔۔۔۔۔وہی مطالعہ صحیح عرفاں کا سبب بنتا ہے جب مطالعہ کرنے والا غیر جانب

دار ہو اور خود میں فیصلہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہو کہ غیر جانبدار نہ ہونے کی صورت میں وہ نفسیاتی طور پر کسی نہ کسی دباؤ اور الجھن کا شکار رہتا ہوگا جبر واکراہ بھی اپنے جیسے انسانوں سے بہت کچھ کرا لیتے ہیں لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس سے احتراز کیا جائے کہ اسی میں ایمان کی سلامتی ہے اور عشق کا تحفظ بھی ہے۔

یہ چند ذرائع بیان کر دیئے گئے ہیں مگر یہ کل ذرائع نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ذرائع نکل سکتے ہیں جو تلاش وجستجو پر مبنی ہیں۔۔۔۔۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے مسلک ومذہب کا صحیح عرفاں کیسے حاصل ہو؟ اوپر جن باتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے اس کے تناظر میں مسلک کا مطالعہ کیا جائے تبھی اس کا صحیح عرفان ہو سکتا ہے مسلک کا مطالعہ کبھی دائیں سے کیا جا رہا ہے اور کبھی بائیں سے کبھی اسے سمت راس سے دیکھا جاتا ہے اس طرح سے کہیں ''صحیح عرفاں'' حاصل ہوتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!۔۔۔۔۔۔ہاں اس سے خیال خام تو حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ اس کتابچہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

صحیح عرفاں کی راہ میں ایک منزل ایسی بھی نمایاں ہوتی ہے کہ ہر کوئی تنقید واعتراض سے کام لیتا ہے جب کوئی اصطلاح وجود میں آتی ہے تو سطحی ذہن رکھنے والے بہت ہی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بہت بعد میں وجود میں آئی ہے اس لیے یہ نئی ہے اور ماضی میں اس کا کوئی وجود نہیں یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے اس قسم کے اعتراضات ہر دور میں ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اس سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ نہایت سنجیدگی سے اس کا جواب دینا چاہیے دیکھئے جب ''تصوف'' کی اصطلاح پہلے پہل وجود میں آئی تو اس کے مخالفین نے ''تصوف'' کے بارے میں یہ اعتراض کیا ''تصوف'' بھی نیا ہے اور عجمی ہے ایسے ہی لوگوں سے مجھے کہنا ہے اصطلاح اگرچہ حال کی پیداوار ہوتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نئی ہے اور ماضی میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے ہاں ماضی میں اس کا وجود ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ ماضی میں اس کا وہ نام نہیں ہوتا ہے اسی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو لیجئے اگرچہ اس کا وجود (۱۰۰) سال کے اندر اندر ہوا ہے اس کے باوجود یہ نیا مسلک نہیں ہے

اس لیے کہ اس کا رشتہ ماضی سے جڑا ہوا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کا نام وہ نہیں تھا جو اس وقت اس کا نام ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا پہلا تصور:

اعلیٰ حضرت کے پیر ومرشد حضرت سیدی حضرت آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحٰکمین نے سوال فرمایا۔۔۔۔ کہ اے آل رسول! دنیا سے تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے وہ فکر دور ہوگئی۔ اس وقت میں ''احمد رضا'' کو پیش کردوں گا۔

(مسلک اعلیٰ حضرت۔۔۔۔۔۔۔ منظر پس منظر، ص ۳۵۳)

مرشد کا یہ قول کس قدر مبارک ہے؟ کتنا حسیں اور کتنا شگفتہ ہے؟ یہ ہر ایک کے ذوق عرفاں پر موقوف ہے کہ کون کتنا سمجھتا ہے؟ اور کیا سمجھتا ہے یہاں سمجھنے والوں کی کمی نہیں ہے ایک بات ہوتی ہے اور ہزاروں موئنھ ہوتے ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کسی کا نظریہ کچھ اور ہی ہوتا ہے مگر اس قول کا صحیح عرفاں یہ ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے نیک عمل کو پسند فرماتا ہے علمی دینی اور فقہی بصیرت کو پسند فرماتا ہے تعلیمی اصول اور نظریات کو قبول فرماتا ہے اس بارگاہ میں تنومند اور سیاہ جسم نہیں دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی خوبصورت کپڑے دیکھے جاتے ہیں، بلکہ وہ تقویٰ دیکھتا ہے دلوں کی کیفیات دیکھتا ہے اس لیے ''احمد رضا'' کو پیش کر دینے کا مطلب ان کی مذہبی تعلیمات، ارشادات اور ہدایات ہیں اصول ونظریات ہیں ان تمام چیزوں پر اگر چہ اس وقت ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا اطلاق نہیں ہوتا تھا مگر اس کا خاکہ تو پہلے ہی سے تیار تھا، اس کا تصور اس کے اطلاق سے پہلے ہی موجود تھا۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں امام احمد رضا کی شخصیت یا ان کی ذات پیش نہیں کی گئی بلکہ وہ تمام چیزیں اور اشیا پیش کی گئیں جن پر آج ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا اطلاق کیا جارہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مرشد اُن کی علمی بصیرت وقیادت سے خوش تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے مرید خاص امام احمد رضا

کوخدا کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔اس کے علاوہ پیش کرنے کا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے۔اگر کسی کی نگاہ میں کچھ اور ہے تو اہلِ علم کی بارگاہ میں واضح کرے۔اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا سب سے پہلا تصور خود ان کے شیخ طریقت نے پیش کیا۔حضور سیدی الشاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ کے مذکورہ بالاقول کا یہ صحیح عرفاں ہے، جب انہوں نے خدا کی بارگاہ میں پیش کر ہی دیا تو پھراس کی قبولیت میں کیا کسی کوشک ہوسکتا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا دوسرا تصور:

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا یہ دوسرا تصور ہے جو پہلے تصور سے کچھ زیادہ نمایاں ہے نہ صرف نمایاں ہے بلکہ یہ زندہ ،فعال اور متحرک تصور ہے۔۔۔۔یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا کے لیے ارشادفرمایا''چشم و چراغ خاندان برکات اس سے نہ صرف اس خاندان سے قربت سمجھ میں آتی ہے بلکہ اس سے ایک اور حسین تصور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے جو آنکھوں میں سماجاتا ہےاور دلوں پہ چھا جاتا ہے۔۔۔۔یہ بات سب کو معلوم ہے کہ لفظ بول کر کبھی اس سے معنیٰ حقیقی مرادلیا جاتا ہےاورادب کی دنیامیں کچھ ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں اس لفظ کے حقیقی معانی ترک کردیئے جاتے ہیں اوراس سے اس کا''مجاز متعارف''مرادلیا جاتا ہے یہ اس قدر وسیع اور کشادہ دکھائی دیتا ہے کہ حقیقی معنیٰ''،''مجاز متعارف'' کا ایک جز بن جاتا ہے۔۔۔۔لہٰذا چشم و چراغ سے اس کا مجاز متعارف مرادلیا جائے یہاں اس بات سے وہ معنی مرادلیا جائے جس کا دامن وسیع ہو۔۔۔۔۔یعنی مسلک اعلیٰ حضرت اگر چہ اس وقت امام احمد رضا کے اصول ونظریات پر مسلک اعلیٰ حضرت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا مگراس دور میں وہ تمام چیزیں عملی طور پر پائی جاتی تھیں جن پر بعد میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا اطلاق کیا گیا۔۔۔اسی''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو بطور استعارہ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کہا گیا اس استعارتی انداز نے ہمیں اس بات کا صحیح عرفاں دیا کہ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کوئی سطحی اور سرسری مسلک نہیں ہے بلکہ''چشم و چراغ'' کی مانند اس میں روشنی

بھی ہے اور روشن کرنے کی صلاحیت بھی ہے جس کسی نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور اسے اپنے دل میں جگہ دی وہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا اور جس کسی نے اس سے اپنی آنکھیں چرالیں وہ چوتھے آسماں سے گر کر زمیں دوز ہو گیا نہ یہاں ان کا کوئی ٹھکانہ اور نہ ہی وہاں ان کا کوئی ٹھکانہ۔۔۔۔۔ کیا یہ تصور غلط ہے؟ فرضی ہے؟ نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے! اگر یہ فرضی ہے تو پھر صحیح کیا ہے! ہے کسی کے موتھ میں زباں جو اس کے فرضی ہونے کی وضاحت کر سکے۔۔۔۔۔ چشم و چراغ کے ساتھ خاندان برکات کہنے میں یہ مصلحت ہے کہ اس خاندان میں جس قدر افراد ہوں گے ان کے لیے یہ تلقین ہے امام احمد رضا کی اتباع کرو پیروی کرو ان کے مسلک سے منحرف ہو کر کسی اور طرف مائل ہونے میں خطرہ ہے اور نقصان کے پہلو کو غلبہ حاصل ہے جب اس خاندان کے افراد کے لیے یہ حکم ہے تو اس خاندان سے جس قدر وابستہ ہیں سب کے لیے یہی حکم ہوگا جو لوگ صحیح ذوق اور درست عرفاں رکھتے ہیں ان کے لیے بھی بطور اشارہ یہی حکم ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہو۔۔

چشم و چراغ خاندان برکات کہنے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ملتا ہے ان کے پند و نصائح کا مطالعہ مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔ مصباحی صاحب تحریر کرتے ہیں:

نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمدی نوری مارہروی قدس سرہ اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں وابستگان سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کو خصوصی طور پر اور سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کو عمومی طور پر نصیحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پہلی نصیحت وصیت یہ ہے:

ایمان و اسلام کو قبول کرنے کے بعد مذہب اہل سنت و جماعت پر ثابت قدم رہیں۔ اور حنفی مسلک وقادری مشرب کے مطابق اپنا ظاہر و باطن آراستہ رکھیں ۔۔۔۔۔ یعنی بالفاظ دیگر اپنا ظاہر شریعت غرا (روشن و تابناک شریعت) کے موافق اور باطن طریقت عالیہ کے مطابق بنائیں۔۔۔۔۔۔ شریعت میں حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مقلد رہیں اور طریقت میں حضور غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے متبع وفرماں بردار بنیں تمام احکام اسلام کی تعمیل و پیروی اپنے اوپر فرض جانیں ۔۔۔۔۔۔ علما فقرا کا ادب ملحوظ رکھیں خانقاہ و درگاہ شریف کی خدمت بجا لاتے رہیں نماز پنج گانہ کے لیے مسجد کی حاضری اور نماز با جماعت اختیار کریں۔۔۔۔۔۔ خصوصاً والدین اور اپنے شیخ طریقت اور علوم دینیہ کے اساتذہ اور ان کی اولاد کی خدمت گزاری میں کوشش کرتے رہیں ۔۔۔۔۔۔ اپنے شیخ طریقت کو اپنے زمانے کے تمام مشائخ سے اپنے حق میں برتر وبالا جانیں۔ اپنے آپ کو تمام مخلوقات الہی سے ذلیل و بے قدر سمجھیں اور ہمیشہ ہمیشہ تواضع پسند اور منکسر المزاج رہیں۔ (عرفان مذہب ومسلک ص ۳، ۴ مؤلف مولانا یاسین اختر مصباحی)

حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ نے ''مسلک اہلسنت'' پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے اور اسی کی اتباع و پیروی کا بھی حکم ہے اس بات سے کسی کو انکار نہیں ۔۔۔۔۔۔ مگر اس کا تصور ہو تو کیسے ہو؟ حضرت نوری میاں کے ذہن شریف میں اس کا جو تصور تھا آپ نے اس کا اظہار نہیں کیا مگر انہوں نے امام احمد رضا کو اپنے خاندان کا چشم و چراغ بتا کر ایک اہم پیغام دیا کہ میری نصیحت اور وصیت کو بھی انہیں کے تعلیمی نظریات اور فقہی معلومات کی روشنی میں متعین کر وان کے نظریوں کو چھوڑ کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں ۔۔۔۔۔۔ یوں تو ان کی وصیت سے دانشوروں نے مسلک و مذہب کا عرفاں حاصل کیا اس میں کوئی دورائے نہیں ہے مگر یہ عرفاں صحیح عرفاں نہیں ہوا اس کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کا سہارا لینا پڑے گا حضرت نوری میاں نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہ اصطلاح اپنے وجود سے دور تھی کاش اگر اس وقت یہ اصطلاح موجود ہوتی تو اس کا ذکر ضرور کیا جاتا اپنے دل اور دماغ کو حاضر کر کے سوچیئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے یہی ہماری التجا ہے اور گزارش بھی ہے جب ''مسلک اہلسنت'' کی بات آہی چکی ہے تو اس بارے میں عرض ہے ذرا اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

مسلک اہلسنت کے مختلف تصورات:

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اہلسنت کا مسلک نہایت ہی صاف ستھرا مسلک ہے یہ ایک ایسی شاہراہ حیات ہے جس پر چل کر انسان اپنی مطلوبہ منزل کو پاسکتا ہے مگر دور حاضر میں اس کا تصور نہایت ہی دھندلا ہو چکا ہے ایسا کس نے کیا اور کیسے کیا؟ یہ ایک الگ اور جداگانہ معاملہ ہے۔

(۱)۔۔۔۔۔۔دھندلا تصور

اہلسنت وجماعت کے مسلک کا سب سے پہلا تصور نہایت ہی دھندلا ہے ایسا دھندلا ہے کہ اس کے خدوخال تک نہیں دکھائے دے رہے ہیں۔۔۔۔۔کیا یہ بات معلوم نہیں؟ کہ لفظ سنی کا اطلاق شیعہ کے مقابلہ میں ہوا ہے اس لیے شیعہ اور سنی بولا جاتا ہے۔۔۔۔۔مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنو کے زیر انتظام جو امتحانات کرائے جاتے ہیں اس میں مذہب کا ایک کالم ہوتا ہے جس میں شیعہ اور سنی لکھا ہوتا ہے اور امیدوار کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جس مذہب سے تعلق رکھتا ہے اس پر صحیح کا نشان لگائے جو امیدوار شیعہ ہوتا ہے وہ شیعہ پر صحیح کا نشان لگاتا ہے اور جو امیدوار وہابی، دیوبندی ہوتا ہے وہ سنی پر نشان لگاتا ہے اسی طرح سنی امیدوار سنی ہی پر نشان لگاتا ہے۔۔۔۔۔۔حکومتی سطح پر سنی وقف بورڈ قائم ہے اور شیعہ بورڈ قائم ہے شیعہ کے علاوہ ہندوستان میں جس قدر فرقے ہیں سب اپنے آپ کی وابستگی سنی وقف بورڈ سے بنائے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ مدرسوں سے متعلق سبھی اس سے واقف ہیں خواہ وہ تلامذہ ہوں یا اساتذہ ہوں۔۔۔۔۔۔غیروں کی اسی شمولیت کے سبب سنی مسلک اپنے افراد کے اعتبار سے دھندلا ہے اور اس کے اندر باطل فرقوں سے امتیاز کی جو قوت اور صلاحیت پائی جاتی تھی وہ مفقود ہو چکی ہے۔

(۲)۔۔۔۔۔۔ناقص تصور

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنے کتابچہ ''عرفان مذہب ومسلک'' میں ''مسلک اہلسنت'' کو مشہور ومعروف حقیقت قرار دیا ہے اور مسلک امام اعظم، مسلک اکابر واسلاف،

مسلک علماء محدثین، مسلک سلسلہ ولی اللّٰہی عزیزی، مسلک علماء فرنگی محلی، مسلک خیر آباد و بدایوں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے انہوں نے تحریر کیا کہ۔۔۔۔۔۔۔یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے جس میں بہت سے سر بستہ راز مضمر ہیں ان رازوں کو سمجھنے کے لیے فکری گہرائی چاہیے اس کے لیے اچھی سوچ اور مثبت انداز فکر ہونا چاہیے اور محتاط رویہ ہونا چاہیے ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ یہ تعبیریں بھی کسی ضرورت کے تحت ہی وجود میں آئی ہیں۔ وہ ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا پتہ لگانا اہلِ علم کا کام ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے اسباب درج ذیل ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔قارئین سے گزارش ہے اسے دھیان سے مطالعہ کریں اور پھر فیصلہ کریں۔

پہلا سبب۔۔۔۔۔۔۔اس کا پہلا سبب یہ ہوسکتا ہے کسی بھی رائج اور قدیم اصطلاح میں موجود ''علت فارقہ'' جب کسی وجہ سے کمزور اور مضمحل ہو جاتی ہے تو کوئی ایسا عالم دین جو اپنے علم وفن میں با کمال ہوتا ہے فکر وفن میں باوقار ہوتا ہے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر خداداد اپنی ذہانت فطانت اور فکر وفن، فقہی دینی اور مذہبی طاقت وتوانائی سے مضمحل ''علت فارقہ'' میں امتیازی صلاحیتوں کو دوبالا کر دیتا ہے اور اسے اس لائق بنا دیتا ہے جس کے سبب اس کی اپنی تعبیر اس دور کے اعتبار سے دین حق کی علامت، شناخت اور نشان امتیاز بن جاتی ہے۔ جو صاحبِ بصیرت ہیں وہ اس بات سے واقف ہوتے ہیں کہ اس تعبیر میں بھی وہی خوبیاں ،کمالات اور تفردات پائے جاتے ہیں جو ''معبر عنہ'' میں پائے جاتے تھے اس لیے ہم اسے کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کر سکتے جس دور میں یہ تعبیر ابھر کر سامنے آئی ہے۔۔۔۔۔۔جب تعبیر میں شان امتیاز پائی جاتی ہے تو پھر اسے لانے کی کیا ضرورت؟ جس کی یہ تعبیر ہے۔

دوسرا سبب۔۔۔۔۔۔۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے جب کسی دور میں انقلابات، تغیرات اور بدلے بدلے سے حالات سامنے آتے ہیں تو پھر اسی بدلے ہوئے ماحول میں کسی جدید

اصطلاح کی ضرورت پیش آتی ہے جس میں تعبیر کے ساتھ ساتھ ضرورت کا احساس بھی پایا جاتا ہے اس لیے ہم اس تعبیر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔ اور اگر ہم کسی حقیقت کا اعتراف کریں اور اس کی تعبیر جدید کو نظر انداز کر دیں۔۔۔۔۔ تو اس صورت میں مسلک کا تصور ناقص ہو جائیگا اور اس کے ناقص ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلک اہلسنت کے ساتھ ہم اس تعبیر کا انضمام کریں جو اس دور سے متعلق نہیں بلکہ اس سے پہلے کے دور سے متعلق ہے مثال کے طور پر دور حاضر میں ہم مسلک اہلسنت کو مسلک علامہ فضل حق خیر آبادی یا مسلک علامہ فضل رسول بدایونی کے ساتھ ملاتے ہیں تو ان دونوں کے مسلک میں دیوبندیوں کے فاسد نظریات پر کسی طرح کی کوئی ریمارک نظر نہیں آتی حالانکہ دور حاضر میں اسی ریمارک کی ضرورت ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اسی دور کی تعبیر کو ساتھ لے کر چلیں۔۔۔۔۔ ورنہ ایک قدم چلنا بھی ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا اور ہم پھڑ پھڑاتے رہ جائیں گے پھر اس جال سے ہمیں نکالنے والا کوئی نہیں

مکمل تصور :

اہلِ علم کو خوب معلوم ہے کہ اشیا اپنے لوازم کے ساتھ رہنے ہی میں مکمل ہوتی ہیں۔ لوازم کہیں اور اس کے ملزومات کہیں۔۔۔۔۔۔ اس سے کسی کا کوئی بھلا نہ ہوگا کہ مسلک کو اس کی امتیازی شان وشوکت کے ساتھ لیا جائے ورنہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آئیگا کہ چہرہ بے نقاب ہے لیکن اس کے خدوخال کہاں ہیں؟ تلاش کرنے کے بعد بھی اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہمیں مسلک کا تصور نہ دھندلا چاہیے اور نہ ہی ناقص۔۔۔۔۔۔ بلکہ اس کا ایسا تصور ہونا چاہیے جو ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہو۔۔۔۔۔ اور ایسا تصور صرف "مسلک اعلیٰ حضرت" ہی سے ابھرتا ہے ان کے مسلک کے علاوہ کوئی اور مسلک نہیں جس سے دین حق کا کامل اور مکمل تصور ہو سکے آج ہمیں اس مسلک سے بیزار رہنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے جس نے دین حق کی حفاظت کے لیے اپنے تن من دھن کی قربانی پیش کر دی ہے۔ انہیں اپنا خیال نہیں تھا بلکہ اپنی ملت کی زبوں حالی کا خیال تھا ان کا ایک ایک قدم دین کی حمایت میں

اُٹھتا تھا اور ان کے قلم ژرف نگار سے دیں کے گلستاں مہکتے تھے اور ان کی حیات گراں قدر ہمارے لیے باعث نو بہار تھی ہم ان کے پیغام محبت کو کس طرح فراموش کر دیں؟

حضرات گرامی!

دورِ حاضر میں ''مسلک اہلسنت'' کے تینوں تصورات آپ کے سامنے ہیں انہیں ذہن نشیں کر لیں اور بتایئے آپ کو کیسا مسلک چاہیے؟

الف۔۔۔۔ جس مسلک کی حمایت میں ہماری جماعت کا ایک فرد اس میدان میں اُتر پڑا ہے۔ اُس نے اپنے قلم سے ہم جیسے چھوٹوں پر نگاہ عنایت کی۔۔۔۔۔۔ اور اس قدر لکھا کہ ایک کتابچہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کے مطالعہ سے مسلک کا جو تصور سامنے آتا ہے وہ دھندلا ہے یا پھر ناقص ہے۔ آپ کیسا تصور چاہتے ہیں؟ دھندلا یا ناقص؟ ہمیں نہ دھندلا چاہیے اور نہ ہی ناقص چاہیے۔

ب۔۔۔۔ ہم اس مسلک کے حامی ہیں جس کا تصور کامل ہو اکمل ہو اور ظاہر ہے یہ کامل تصور صرف اور صرف مسلک اعلیٰ حضرت سے نمایاں ہوتا ہے

ج۔۔۔۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا کو اپنے خاندان کا چشم و چراغ بنا کر اس بات کی تلقین فرمائی مسلک اہل سنت سے وہ مسلک مراد لیا جائے جو کامل ہو اور یہ تصور صرف مسلک اعلیٰ حضرت سے کامل ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی اور مسلک سے یہ تصور کامل نہیں ہو سکتا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا تیسرا تصور:

یہ تیسرا تصور ہمیں کس نے دیا؟ اس نے دیا! جو اپنے وقت کا محقق، مدقق، مفکر اور نباض تھا۔ راہ ورسم کے نشیب وفراز سے واقف تھا اور اس راز سے بھی آگاہ تھا کہ اس وقت قوم وملت کو کیا چاہیے اور انہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی ذات گرامی کا لقب صدر الافاضل ہے رئیس المفسرین ہے۔۔۔۔ ہمیں یہ تصور ''آل انڈیا سنّی کانفرنس'' کے پلیٹ فارم سے ملا۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس کی مختصر رپورٹ پیش ہے۔

دستور اساسی اور مسلک اعلیٰ حضرت

آل انڈیا سنی کانفرنس" کا قیام عمل میں آچکا ہے اب اس کے ڈھانچے کو پروان چڑھانے کی بات ہے اسے کس طرح آگے بڑھایا جائے؟ اس کے لیے کون سی صورت اپنائی جائے جس سے تنظیمی ڈھانچے کو فائدہ پہنچے اور پورے غیر منقسم ہندوستان میں پھیلے ہوئے علما و مشائخ کو کسی ایک "نقطہ" پر متحد کیا جائے۔۔۔۔۔۔اس کے لیے اگر کسی چیز کی ضرورت تھی؟ تو وہ "دستور اساسی" کی ضرورت تھی جب "دستور اساسی" کی تشکیل کرنے والے جذباتی اور ادھ پکی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا دستور کیسا ہوگا؟ یہ بتانے کی نہیں بلکہ محسوس کرنے کی بات ہے۔ قربان جایئے حضرت صدر الافاضل کی گہری بصیرت پر اور ان کی گہری قیادت پر کہ انہوں نے سب سے پہلے "سنّی" کی تعریف کی اور قوم و ملت کو بتایا کہ صحیح سنّی کون ہے۔۔۔۔۔۔مولانا رحمت اللہ صدیقی "امتیاز اہلسنت" اور "مسلک اعلیٰ حضرت منظر پسِ منظر" کی تقدیم میں لکھتے ہیں:

سُنّی کی تعریف آل انڈیا سنّی کانفرنس" کے دستور اساسی میں سنی کی تعریف یوں کی گئی ہے

سُنّی وہ ہے جو **ما انا علیہ واصحابی** کا مصداق ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین خلفاے اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماے دین میں سے حضرت ملک العلماء، سند العلماء بحر العلماء صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی و اعلیٰ حضرت مولانا فضل رسول بدایونی، حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین رامپوری و اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدست اسرارہم کے مسلک پر ہو۔

(تقدیم مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر)

حضرت صدر الافاضل کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ "سنی وہ ہے جو **ما انا علیہ و اصحابی** پر عمل پیرا ہو چونکہ ہندوستان میں جس قدر باطل فرقے ہیں ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ **ما انا علیہ واصحابی** پر صرف اور صرف وہی ہے اس لیے اس کے دعویٰ کو خارج کرنے کے لیے ضروری ہوا کہ یہ قید لگائی جائے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو متاخرین

علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء حضرت مولانا فضل حق ومولانا فضل رسول ومولانا ارشاد حسین اور مولانا شاہ احمد رضا خاں کے مسلک پر ہو ان کے مسلک سے جو بھی ہٹا ہوا ہے وہ سنی نہیں ہے۔ اس بات میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے، کہ حضرت صدرالافاضل نے جو فرمایا وہ حق اور درست ہے نہایت ہی جامع اور مانع ہے سنی کی اس سے بہتر تعریف اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ اس تعریف سے اس بات کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اس تعریف میں جن علماء کرام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی جانب ''مسلک'' کی نسبت ان کے دور میں ''اہل سنت وجماعت'' کی شناخت اور پہچان تھی اور اس دور کے ارباب فکر کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ غیروں سے خود کو ممتاز کرنے کے لیے ''مسلک فرنگی محلی''، ''مسلک فضل حق''، ''مسلک فضلِ رسول''، ''مسلک ارشاد حسین'' اور ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کہہ سکتے ہیں اور اس سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ ''سنی'' کی تعریف میں ما انا علیه واصحابی ''جنس'' کی حیثیت رکھتا ہے اور متاخرین علمائے دین کی طرف مسلک کی نسبت ''فصل'' کی حیثیت رکھتی ہے اور جس تعریف میں ''جنس وفصل'' پائے جائیں وہ تعریف جامع بھی ہوتی ہے اور مانع بھی ہوتی ہے اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کوئی بھی تعریف صرف ایک جنس اور ایک فصل سے مکمل ہو جاتی ہے اور جب کئی ''فصول'' لائے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک فصل امتیاز کے لیے کافی نہیں ہے اسی لیے دوسری فصل کی ضرورت محسوس ہوئی دوسری بھی کافی نہیں تو تیسری فصل کی ضرورت پڑی اور تیسری بھی کافی نہ ہو تو ''فصل چہارم'' کی حاجت ہوگی اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دور میں ''فصل اول'' کافی ہے اور دوسرے دور میں ''فصل دوم'' کافی ہے اور تیسرے دور میں ''تیسری فصل'' کافی ہے جو افراد فکر و دانش سے ادنیٰ سا بھی تعلق رکھتے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں کہ جب کسی تعریف میں ''سلسلہ وار فصول'' لائے جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک ''فصل'' میں ماسبق فصل کی تمام تر امتیازی قوت پائی جاتی ہے ایسی صورت میں غیروں سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لیے اس دور کی ہی

''فصل'' کافی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے پلیٹ فارم سے ''سنّی'' ہونے کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی منشا اور مقتضی بھی یہی ہے اس کے باوجود حضرت صدر الا فاضل نے امام اہل سنت کے مسلک کے علاوہ حضرت ملک العلما رحضرت فضل حق ر حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت مفتی ارشاد حسین کے مسالک کا ذکر کر کے اس کی جوازی حیثیت کا تعین فرمادیا۔۔۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک میں مذکورہ بزرگوں کے تمام مسالک مضامین اور اس کے آثار وعکوس پائے جاتے ہیں۔ اس بنیاد پر علامہ فاضل بریلوی کے مسلک کا ذکر کرنا بعینہ ان کے مسالک کا ذکر کرنا ہے کہ ان کا مسلک ایک مہاساگر ہے، جس سے بہت سے ساگر ملتے ہیں۔ اسی لیے حضور علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ'' ان کا مسلک سب سمندروں کا سنگم ہے'' سنّی کی یہ تعریف فی نفسہ درست اور صداقت پر مبنی ہے مگر تعریف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کم سے کم الفاظ لائے جائیں کی تعریف کو اختصار سے طبعی مناسبت ہوتی ہے دورِ حاضر میں لوگ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا انکار کررہے ہیں اس طرح سے ان حضرات کی منشا یہ ہے حضرت صدرالا فاضل نے سنّی کی جو تعریف کی ہے، اسے مخدوش قرار دے دیا جائے اسی لیے انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا انکار کیا۔۔۔۔۔۔

دورِ حاضر میں ''سنّی'' کی تعریف

حضرت صدرالا فاضل علیہ الرحمۃ نے سنی کی جو تعریف کی ہے اس کے مطالعہ کرنے اور اس کے تمام مضمرات پر فکری اور تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد میں اس منزل پر پہونچا کہ اس دور میں ''سنّی'' کی تعریف اس طرح کی جائے کہ

''سنّی'' وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی پر ہو۔۔ دور حاضر میں یہ وہ لوگ ہیں جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک پر عمل پیرا ہوں........ سنّی کی تعریف میں امام احمد رضا کے مسلک کا ذکر واجبی حیثیت رکھتا ہے بس اسی قدر کی تعریف سے ہم اہلِ سنت دوسرے تمام باطل فرقوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں غیروں سے امتیاز کرنے کے لیے اب کسی

اور کے مسلک کا ذکر کوئی ضروری نہیں ہے ہاں! اگر کوئی ذکر کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کے ذکر کا جواز حاصل ہے ہم کسی کو اس کے ذکر کرنے سے منع نہیں کرتے ہیں......... ۱۹۲۵ء سے اب تک جس قدر علما مشائخ اور ارباب فکر گزرے ہیں ان تمامی حضرات کی تحریروں اور تأثرات سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ وہ حضرات بھی "سنّی" کی تعریف میں "مسلک اعلیٰ حضرت" کو "جامع الفصول" مانتے ہیں تو پھر اس کے ہوتے ہوئے کسی اور فصل کی ضرورت نہیں اس کے باوجود حضرت صدر الافاضل نے مذکور بالا اکابر اور مشائخ کا ذکر کیا ہے تو ظاہر ہے یہ ذکر صرف اور صرف بیان جواز کے لیے ہے اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے........ یہ تحریر کرتے وقت ہمیں اسبات کا احساس ہو رہا تھا کہ اس سے بہترے افراد کی پیشانیاں شکن آلود ہوں گی اور کتنے ایسے بھی ہوں گے کہ اسے پڑھ کر ان کے تیور بدل جائیں گے ایسے ہی نیک طینت افراد سے میری گزارش ہے تیوری چڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی غصہ کی حالت میں اپنی آنکھوں سے شعلے برسانے سے کچھ حاصل ہوگا فائدہ صرف اس بات میں ہے کہ آپ آئیں اور متانت و سنجیدگی سے مطالعہ کریں اس کے مضمرات پر غور کریں اگر اس میں کسی طرح کی کوئی خامی نظر آتی ہے تو آپ مجھے اس کی اطلاع دیں اور اپنے زرین مشوروں سے نوازیں ہم تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی سستی کاہلی اور کسی سے مرعوب ہو کر اپنی شاہراہ حیات کو بدل دیتے ہیں اور پھر للچائی ہوئی نظروں سے کسی اور طرف دیکھتے ہیں .... میں کسی کو چیلنج کرنے کا عادی نہیں اور نہ میرا یہ شیوہ ہے کہ میں ایسی تنقید کروں جس سے کسی کی شخصیت مجروح ہو جائے اگر آپ کے پاس انصاف ہے فکر و دانش ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے تو پھر ہمیں یہی امید ہے کہ آپ وہی سوچیں گے جو اصل حقیقت پر مبنی ہے........ مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے میں نے سنی مسلمانوں کی جو تعریف کی ہے اس میں اور صدر الافاضل کی تعریف میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ ہی یہ تعریف اس تعریف کی مخالف ہے۔ یہ ایک ضمنی بات تھی جسے میں نے آپ کے روبرو پیش کر دی ہے اب فیصلہ آپ

کے ہاتھ میں ہے.........اب دیکھنا یہ ہے اس "آل انڈیا سنی کانفرنس" کی تحریک میں کتنے افراد عالی وقار شامل تھے اور یہ کیسے کیسے عظیم افراد تھے؟ ہاں میں اس قدر ضرور جانتا ہوں کہ یہ وہ افراد تھے جن کی پاؤں کی ٹھوکر سے کتنوں کا نصیبہ بیدار ہو جاتا تھا اور ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔ اس سے کتنے اور کیسے افراد جڑے ہوئے تھے ان کا پتہ لگانا بھی ضروری ہے تا کہ ان کی یہ آواز معتبر آواز ثابت ہو جائے۔ یہ آواز کیسی آواز ہے؟ اس بات کو جاننے کے لیے ابھی آپ کو کچھ دنوں تک انتظار کرنا پڑے گا اور بہت ہی جلد میری ایک نئی کتاب بنام "مسلک اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور اختلاف"......... آنے والی ہے۔

ایک بار پھر ہم ان کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں یعنی جہاں سے چلے تھے پھر وہیں چلتے ہیں اگر اس مضمون میں شان زیبائی کے خلاف کوئی لفظ استعمال ہو جائے تو اسے دامن عفو میں جگہ عطا فرمائیں یہ آپ کا کرم اور نوازش ہوگی۔۔۔۔۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا چوتھا تصور

مسلک اعلیٰ حضرت کا یہ چوتھا تصور بھی ہمیں مارہرہ مقدسہ کی سرزمیں سے ملا اور ان بزرگوں سے ملا جن کی شخصیتیں ہمارے لیے تاج سر کی حیثیت رکھتی تھی یہ وہ افراد ذی وقار تھے جن کے یہاں سے سکے رائج ہوا کرتے تھے ان کی مبارک زباں سے نکلے ہوئے الفاظ آبدار موتیوں سے کم نہ تھے بلکہ ان موتیوں سے بھی ماورا ہوا کرتے تھے ان کی زبان فیض ترجمان سے مسلک اعلیٰ حضرت کیا نکلا کہ ملک کے کونے کونے میں پھیل گیا اور دوسرے ملکوں میں بھی یہ اصطلاح بولی جانے لگی اور لوگ اسے سمجھنے جاننے لگے۔۔۔۔۔اب جب کہ اس کی صدائے دلنواز ہر طرف پھیل چکی تو اب اسے دبانے کی ہر ممکن کوشش ہونے لگی، ہم پوچھنا چاہتے ہیں اتنی تاخیر سے اس کے خلاف آواز کیوں بلند ہونے لگی اور اس سے قبل اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچا گیا؟

مسلک اعلیٰ حضرت کی جامعیت

مسلک اعلیٰ حضرت ایک ایسی اصطلاح ہے جو جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے جامع

اس طرح ہے کہ یہ اپنے ماننے والوں کو غیر کی طرف جانے نہیں دیتی ہے اور کسی غیر کو اپنی طرف آنے نہیں دیتی ہے۔ اسی جامعیت کے سبب موجودہ دور کے اصحاب فکر، ارباب قلم نے اسے اپنایا ہے اور صاحب زباں نے اسے اپنے دل کے قریں رکھا ہے یہ کسی انفرادی آواز کی علامت وشناخت نہیں بلکہ اس سے تو جمہوریت ثابت ہوتی ہے اور اسی کو شریعت کی زباں میں اجماع کہتے ہیں یا پھر اسے "سواد اعظم" کہا جاتا ہے سواد اعظم کا تو آپ نے عرفاں حاصل کرلیا ہے مگر اس کا صحیح عرفاں سے آپ بہت دور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک آپ نے اس کے انطباق کی کوشش نہیں کی ہے۔ جب تک انطباق نہیں ہوگا، صحیح عرفاں کے حصول کی راہ ہموار نہیں ہوسکتی ہے۔۔۔۔۔۔

یہ مسلک اعلیٰ حضرت کا پانچواں تصور ہے، جو علم داں طبقے کے درمیان سے نمود پاتا ہے۔ یہ تصور نہ کل دھندلا تھا اور نہ آج دھندلا ہے۔ آپ نے اسے کس طرح نظر انداز کردیا؟ یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی چڑھتے دن، چمکتے سورج کو نظر انداز کردے۔ مجھے اس سانحہ عظیم پر افسوس ہوتا ہے اگر کسی طالب علم کے ہاتھوں یہ حادثہ واقع ہوا ہوتا تو اسے برداشت کر لیا جاتا۔۔۔ مگر آپ جیسے کہنہ مشق اور تجربہ کار صاحب قلم کے ہاتھوں سے اس عظیم حادثہ کا پیش آجانا ہماری جماعت کے لیے بہت زیادہ افسوس کی بات ہے۔ کیا اسے اتفاق کہا جائے یا پھر یہ کسی منصوبہ بند تحریک کا کوئی حصہ ہے؟ ہم اس فیصلہ کو اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

چھٹی آواز۔۔۔۔۔۔۔ یہ آواز بھی "مسلک اعلیٰ حضرت کی آواز ہے جو اللہ کے سچے بندوں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے غلاموں کے دلوں سے بلند ہوتی ہے یہ آواز محبت کی آواز ہے ضمیر کی آواز ہے یہ کرایہ کی آواز نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ صحیح عرفاں ہمارے پاس ہے اس لیے ہم اس آواز کو سنی اوران سنی نہیں کرسکتے ہیں۔۔۔۔۔ ہاں ہاں جس کے پاس صحیح عرفاں نہیں ہوتا ہے وہی سنی ان سنی کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ عوام کی آواز اور عمل "عموم بلوی" ہے جب کوئی چیز عدم علم کے سبب "عموم بلوی" کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو شریعت اس میں آسانی پیدا کردیتی ہے مگر آپ کا عرفاں یہ کیسا عرفاں ہے؟ جو اس راز سے

آشنا نہ ہوسکا یہ خون کے آنسو رونے کا مقام ہے مسکرانے یا تبسم ریز ہونے کا موقع نہیں ہے
اس کے باوجود مسلک اعلیٰ حضرت کا انکار کرنے والے افراد قہقہے مار رہے ہیں۔۔۔۔۔۔
یہی حماقت ہے اور اسی کو بیوقوفی سے تعبیر کیا جاتا ہے

ہمارا مسلک جمود و تعطل سے ماورا ہے

جو لوگ "مسلک اعلیٰ حضرت" کا انکار کر کے اہل سنت کے مسلک کی بات کرتے ہیں نہ معلوم وہ کس دنیا میں رہتے ہیں کیا انہیں یہ بات نہیں معلوم؟ کہ مسلک ارتقا پذیر ہوتا ہے زمانہ کے مزاج اور اس کے تقاضوں کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے مسلک کی اسی ارتقائی قوت نے ہمیں زمانہ کے مختلف تقاضوں سے آشنا کر دیا اسی بات کو آپ نے نہ کل سمجھا اور نہ ہی آج سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ جس مسلک کی بات کرتے ہیں اس میں تو جمود پایا جاتا ہے وہ تو تعطل کا شکار ہے اور جس مسلک کی بات ہم کر رہے ہیں وہ زندہ ہے متحرک ہے اور ارتقا پذیر ہے اگر وہ مسلک آج "مسلک اعلیٰ حضرت" کی صورت میں ہے یہ امکان بھی پایا جاتا ہے کہ کل آنے والے دنوں میں زمانہ کروٹ لے۔۔۔۔۔۔اس کے حالات بدلیں اور اس کی کوئی اور علامت ابھر کر سامنے آجائے اگر آپ کا یہی رویہ رہا تو یہ مسلک جبری اور اضطرابی بن کر رہ جائے گا اس اعتبار سے آپ مسلک کو محدود دائرہ میں ہی رکھنا چاہتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اسے وسیع اور کشادہ ہونے نہیں دیں گے۔۔۔۔۔۔یہ سوچ یقیناً بری سوچ ہے اس سوچ سے آپ کو باہر ہو جانا چاہیے مگر آپ اسی ظلمت و تاریکی میں رہنا چاہتے ہیں اس لیے آپ کو اجالوں سے بیر ہے اس سے زیادہ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اگر کچھ کہیں تو ادب مانع ہے اور اگر نہ کہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو گھٹن میں رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارا یہ مزاج نہیں۔۔۔۔۔۔

مسلک اعلیٰ حضرت سب کا پسندیدہ ہے اور یہی سواد اعظم ہے ہمیں اسی کی اتباع کرنی ہے اور اسی پر عمل کرنا بھی ہے مگر اس دنیا میں کیسے کیسے لوگ بستے ہیں جو سیدھی راہ چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر سفر کرنا چاہتے ہیں آخر کیوں؟ اس کے پس منظر میں ان کا کیا مقصد

ہے؟اور وہ کون ساکھیل کھیلنا چاہتے ہیں؟اس مقصد کے سہارے کسی کے دل کے آنگن میں جھانکنا شریفوں کا کام نہیں۔

احقاقِ حق اور ابطال باطل

ہر دور میں مسلک کا یہی مزاج رہا ہے حق کو ثابت کرو اور باطل کا رد کرو مسلک اعلیٰ حضرت نے بھی ہمیں یہی مزاج دیا ہے مسلک کے یہ ایسے دو پہلو ہیں کسی بھی صورت میں تغیر پذیر نہیں ہوتے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کا بدلاؤ آتا ہے اسی پر قائم رہنا تصلب ہے جو لائق ستائش اور محمود ہے مسلک اعلیٰ حضرت میں یہ دونوں کمالات پائے جاتے ہیں اور بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں نظریاتی طور پر بھی اور عملیاتی انداز میں بھی۔۔۔۔۔۔۔ جو افراد اس مسلک سے جڑے ہوئے ہیں انہیں حق بات کہنے اور برملا کہنے میں کہیں نہیں چوکتے ہیں۔ اسی طرح جب باطل کی بات آتی ہے تو اس کے رد کرنے میں ان کا مزاج منفرد دکھائی پڑتا ہے اس کے برعکس وہ افراد جو مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف اختیار کیے ہوئے ہیں ان میں احقاق حق اور ابطال باطل کی گرمی وحرارت پائی جاتی ہے مگر اس کا پارہ بہت ہی زیادہ گرا ہوا ہوتا ہے اور اس قدر گرا ہوا ہوتا ہے کہ مردہ اور نیم مردہ میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے جسم میں جاں نہ ہو ایسی صورت میں کبھی یہ گماں ہوتا ہے کہ وہ سنی ہی نہیں اور کبھی اس بات کا ظن ہوتا ہے کہ وہ سنی تو ہے مگر عملی طور پر اس کا ایک ایک قدم "صلح کلیت" کے فروغ وارتقا میں اُٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس طرح کا مشکوک کردار کبھی فرد کا ہوا کرتا ہے اور کبھی تنظیم یا ادارہ کا ہوا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

اسلام کہتا ہے تہمت کی جگہوں سے بچو اور اپنے دوستوں کو بھی بچاؤ اگر کسی فرد یا ادارہ کی طرف کسی کی انگلی اٹھتی ہے تو جذبۂ خلوص کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اُٹھنے والی انگلی نہیں دیکھتا ہے بلکہ اپنے گریباں میں منھ ڈال کر غور وفکر کرتا ہے کہ آخر مجھ میں کیا کمی تھی؟ کہ انگلی اُٹھی۔ ..... ایسا انصاف پسند انسان اس کمی کو دور کرتا ہے اور اپنے اندر اصلاح کا جذبہ بیدار کرتا ہے لیکن یہ کیسا قرب قیامت ہے؟ کہ لوگ اپنے آپ کی اصلاح نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی

اپنے گریباں میں مونھ ڈال کر کچھ سوچتے ہیں بلکہ ان انگلیوں کو توڑ دینا چاہتے ہیں جو ان کی طرف اُٹھتی ہیں۔۔۔۔۔کیا اس بات کو آپ بھول گئے کہ تنقید ہر دور میں اچھی رہی ہے اور اہل علم نے اسے پسند کیا ہے صرف اس لیے کہ تنقید گرتوں کو اٹھاتی ہے اور لغزیدہ قدموں کو سہارا دیتی ہے۔........ قدر افسوس کی بات ہے؟ تنقید کو پسند نہیں کرتے ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ خود اپنی اصلاح کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو سنوارنے میں لگے رہیں یہی شرافت ہے اور اسی کو انسانیت کہا کرتے ہیں........ ہاں یہ بات صرف اچھی ہی نہیں بلکہ بہت اچھی ہے کہ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے مختلف اسالیب میں اس اسلوب کا انتخاب کریں جو موقع ومحل اور افراد انساں کے مزاج ونفسانیت کے عین مطابق ہو........ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کبھی اور کسی دور میں وہ تقریر پسند کی جاتی تھی جس میں کھلا ہوا رد اور ابطال ہوا کرتا تھا اور دور حاضر میں ایسا نہیں ہے اس لیے ہمارے خطبا کا انداز خطابت بھی بدل چکا ہے کہیں انداز بیاں میں جذبہ وجوش ہوتا ہے اور کہیں اس میں سنجیدگی ہوتی ہے اور کبھی اس میں متانت پائی جاتی ہے۔ بہر حال اس بات سے انکار نہیں کہ ایک دور ایسا بھی تھا جب عوام اہلسنت کا مزاج اور حالات کے تقاضے صریح رد وانکار کو پسند کیا کرتے تھے ....اس دور کے اعتبار سے کسی اور دور کی خطابت کو تاجرانہ ذہنیت سے تعبیر کرنا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں........ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ آپ کا مزاج کسی اور اسلوب کو چاہتا ہو اور خطیب نے اپنے مزاج اور اپنے سامعین کی نفسیات کے اعتبار سے جس اسلوب بیاں کو اپنایا وہ صحیح ہو نہ آپ اپنے اسلوب کے اختیار میں غلط ہیں اور نہ ہی خطیب کسی خطا کے شکار ہوا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان کے اسلوب بیاں کو غلط قرار دے رہے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ کے اسلوب کو غلط نہیں کہا ہے اس طرح کی شدت پسندی آپ کے لیے روا کیوں،؟ جہاں تک لکھنو اور ممبئی کے سیمینار و کانفرنس کی بات ہے اس کا تعلق عوام سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں وہی لوگ شریک ہوتے ہیں جو پڑھے لکھے اور سنجیدہ ومتین ہوتے ہیں .اور جلسوں کا مزاج دوسرے قسم کا ہوتا ہے اس میں زیادہ تر وہ افراد ہوتے ہیں جو سنجیدہ نہیں

ہوتے ہیں انہیں تو جوش بھری تقریر چاہیے۔اسی لیے ان کی خطابت میں جوش ہوتا ہے اور جذبات کے نشیب وفراز ہوتے ہیں۔اگر آپ کے پاس صحیح عرفان ہوتا تو ہم سمجھتے ہیں آپ وہ بات نہیں کرتے جو اپنے کتابچہ میں کر گئے۔ہم اپنی بات ردِ فرقِ باطلہ کے تعلق سے اسی پر ختم کرتے ہیں........اور صلح کلیت پر آتے ہیں۔

صلح کلیت کیا ہے؟:

صلح کلیت کے تعلق سے آپنے بات کی اور اس کی وضاحت بھی آپنے اپنے اعتبار سے کیا اس کے باوجود ابھی تک اس میں بہت سے ایسے گوشے ہیں جو زیر بحث نہیں آئے ہیں اس لیے اس مسئلہ کے تعلق سے ابھی بھی آپ کا عرفاں ناقص دکھائی پڑتا ہے، ہوسکتا ہے ہماری باتیں آپ کو کڑوی محسوس ہوتی ہوں گی اگر اس کڑواہٹ کا ہم احساس کرتے ہیں تو انکشاف حقیقت ادھورہ رہ جاتا ہے اس لیے ہم ان گوشوں کو بیان کرنے کی کوشش کررہے ہیں یہ ہمارا فرض ہے اور ہمیں اپنے فرض سے زیادہ پیار ہے۔۔۔۔۔۔۔یہ حقیقت ہے کہ صلح کلیت کوئی مستقل مذہب نہیں ہے بلکہ ہم کہتے ہیں اس میں مذہب کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ یہ ایک عارضی چیز ہے جو یکا یک ابھرتی ہے وہ کس قدر پائدار ہوتی ہے؟ اور کتنی ناپائدار ہوتی ہے یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ انفرادیت سے میل کھاتی ہے اور جس میں انفرادیت ہوتی ہے وہ مذہب کیسے بن سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ہندوستان میں "صلح کلیت" نام کی کوئی چیز نہ تھی اس کی ابتدا کہاں سے اور کس طرح ہوئی اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضور تاج الشریعۃ مولانا و مفتی محمد اختر رضا قادری دامت برکاتہ القدسیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

صلح کلیت کی اصطلاح یہ آج کل کی نہیں ہے بلکہ جب سے ندوہ فارم ہوا اس کی تشکیل ہوئی اور ندوہ والوں نے یہ نعرہ دیا کہ "وہابی، دیوبندی، رافضی اور سنّی سب ایک ہیں عقیدۃ........جب انہوں نے یہ عقیدہ بنایا تو علمائے اہلسنت و جماعت نے ان کا رد کیا اور سب سے بڑا حصہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور تاج

الفحول بدایونی کا رہا، ان حضرات نے تقریر اُتحریر اُندوہ کا بھرپور رد کیا۔۔۔۔۔۔اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کی اس سلسلے میں ایک دونہیں مستقل تصانیف ہیں۔۔۔۔

(عرفان مذہب ومسلک)

یہ بات حقیقت ہے کہ ندوہ کی تشکیل کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تمام فرقوں کے لوگ ایک میز پر آکر بیٹھیں اور صلح کلیت کو سمجھنے کی جدو جہد کریں۔

صلح کلیت کا مطلب تمام فرقوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھیں۔۔۔۔۔۔کلیت سے مراد باطل فرقے ہیں گنہگار افراد مومن نہیں اب اگر کوئی انسان کسی گنہگار کے پاس بیٹھتا اٹھتا ہے تو یہ صلح کلیت نہیں........ صلح کلیت کے بہت سے نمونے ہیں جو ذیل میں درج کیے جارہے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

الف۔۔۔۔۔۔صلح کلیت کی سب سے اہم اور بڑی علامت یہ ہے کہ کسی مسلک اور مذہب کے تشخص اور اس کی امتیازی شناخت ختم کردی جائے کیون کہ کسی بھی شئی کی شناخت صرف اور صرف شناخت اور علامت سے ہوا کرتی ہے جب یہ علامت ہی نہ رہے گی تو ظاہر ہے وہ مسلک گم ہوکر رہ جائے گا ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسقدر موٹی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ جب کے اس کے لیے نہ زیادہ فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ نہ ہی تدبر کی........ اس سے یہی پتہ چلتا ہے نہ انہیں سمجھنا ہے اور نہ ہی وہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بس ان کے سامنے ایک مقصد ہے جس کے سہارے وہ اپنے کارواں کو لے کر ماضی کے طرف رواں دواں ہے جو فرد ادارہ یا تنظیم اس قسم کے رویہ سے دوچار ہے اسے اگر صلح کلیت کا فروغ دینے والا فرد ادارہ یا فروغ دینے والی تنظیم کہا جائے تو اس میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں، کیوں کہ صلح کلیت کی اس کی طرف نہ نسبت کی جارہی ہے اور نہ ہی اس نسبت کی حاجت ہے بلکہ خود اس کا رویہ اس کی وضاحت کررہا ہے۔۔۔۔۔یہ عجیب حال ہے کہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ تشخص کو مٹانا اتنا آسان نہیں آخر آپ کہاں تک مٹائیں گے؟ اس کا تو سلسلہ چلتا رہے گا۔۔۔۔۔چلیے آپ نے "مسلک اعلیٰ حضرت"

کومٹادیا ہندوستان میں مسلک اہلسنت کا اس کے علاوہ کوئی اور تشخص نہیں۔۔۔۔۔اب رہی بات فکرولی اللہی کی۔۔۔۔۔مسلک علامہ فضل حق یا علامہ فضل رسول بدایونی کی یا مسلک خیرآبادکی۔۔۔۔۔اس بابت ہماری معلومات یہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے مسلک کو بھی ''علامت یا نشان امتیاز'' کا درجہ حاصل نہ رہا ہے۔۔۔۔۔ہاں کسی دور میں تقلید شخصی، محبت حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اشعری، ماتریدی، مسح علی الخف کی اباحت اور حب ختنین کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا تو کیا یہ سارے تشخصات مٹادیئے جائیں؟ اگر ہاں! تو آپ کا مسلک کہاں جائے گا؟ اور اس کی حیثیت کیا رہے گی؟ کیا وہ برقرار رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟ اور اگر اس کا جواب نہیں میں دیا جاتا ہے اور یقیناً اس کا جواب نہیں ہی میں دیا جائے کہ یہی بہتر اور مناسب ہے۔تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے یہ تشخصات اگر ختم نہیں ہو گئے تو پھر مسلک اعلیٰ حضرت کا تشخص کیوں ختم کیا جارہا ہے؟ اس کے جائز ہونے کی کوئی دلیل آپ کے پاس ہے؟ یہ نظریاتی صلح کلیت ہے جو عملیاتی صلح کلیت سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔یہ صرف ہمارا ماننا نہیں ہے بلکہ تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہونا چاہیے۔

ب۔۔۔۔۔تقریباً چار یا ساڑھے چار سو علمائے اہل سنت نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو ''امتیاز اہلسنت'' مانا ہے اور اپنی تائیدات سے اسے سنوارا ہے۔مفتی محمد اختر حسین صاحب نے اُصول وقواعد اور معتبر حوالوں سے مزین کیا ہے۔اس کی تائید کرنے والوں میں ہر ادارہ کے مدرسین شامل ہیں اور خود مصباحی برادران بھی ان میں شامل ہیں۔ اس کے باوجود چند مٹھی بھر علما نے اس کی تائید نہیں کی۔۔۔۔۔اس کے پیچھے ان کا کیا مقصد ہے؟ اس بات کو وہ بہتر جانتے ہیں۔اگر کوئی دینی یا شرعی مصلحت ہے تو اسے پیش کردینی چاہیے۔مگر اب تک ایسی کوئی مصلحت سامنے نہیں آئی ہے۔آپ خود ہی بتائیے اس رویہ کو کیا کہا جائے۔کیا اس سے دلوں کو سرور اور آنکھوں کو نور ملے گا؟ یا پھر یہ رویہ فکروشعور کو کہیں اور لے جائے گا؟ کہاں لے جائے گا؟ یہ بات واضح ہے اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں

گے کہ جو صورت ''الف'' کی ہے وہی صورت ''ب'' کی ہوگی۔ اس اظہار کے لیے کسی ثبوت شرعی کی ضرورت نہیں ہے۔

ج۔۔۔۔۔ مسلک اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت میں لزوم پایا جاتا ہے اور یہ لزوم دور حاضر کے حالات اور تقاضوں نے پیدا کیا ہے یہی لزوم اس بات کو ثابت کررہا ہے کہ مسلک اہلسنت کو سمجھنے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کو وژن بنانا ہوگا اگر یہ وژن ختم ہو جاتا ہے یا اسے مٹا دیا جاتا ہے تو مسلک اہلسنت بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا اور پاؤں تلے سے زمین کھسک جائے گی جس کے نتیجہ میں آپ کے ہاتھوں میں ''سوادِ اعظم'' تو بہت دور کی بات ہے ''جماعتی برکتیں'' بھی نہ رہیں گی اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ''خیر آبادیات'' ''تحریک فضل حق اور تحریک اسلاف شناسی'' سے معلومات میں اضافہ تو ہوگا، ذہنوں کے کینوس میں کشادگی تو آجائے گی مگر اس سے نہ جمالیات آسکتی ہے اور نہ ہی اس سے رعنائی نمایاں ہوگی اور نہ ہی شگفتگی آسکتی ہے۔ آپ کا یہ سفر صحراؤں کا سفر ثابت ہوگا منزل ملے یا نہ ملے اس بات پر یقین کرنا حماقت ہے نادانی ہے۔

د۔۔۔۔۔ اس طرح کا رویہ جس کے بطن سے ''صلح کلیت'' کی تحریک کا شائبہ ہوتا ہے خواہ یہ تحریک اجمالی طور پر نمود پائے یا صریح انداز میں اس کا اظہار ہو اگر یہ رویہ کسی فرد کا ہوتا ہے تو اس کی طرف ''صلح کلیت'' کے اظہار ونسبت میں کوئی قباحت نہیں اور اگر کسی ادارہ یا تنظیم کی جانب سے یہ رویہ ظہور میں آتا ہے جب بھی یہ نسبت جائز ہے۔

یہ وہ بھیانک صورت حال ہے جس سے ہماری جماعت میں انتشار پیدا ہو گیا اور جب جماعت متاثر ہوتی ہے تو انفرادیت بھی سموم زدہ ہو جاتی ہے اس بھیانک صورت حال کا سہرا کس کے سر بندھے گا؟ ہمارے یا آپ کے؟ یہ سوال ایک چبھتا ہوا سوال ہے اگر عرفانی ذوق سلامت ہوتا تو یہ صورت حال پیدا نہ ہوتی۔۔۔۔ نہ یہ رویہ نمود پذیر ہوتا اور نہ ہی سفید دامن پر کوئی دھبہ آتا اس پر غور وفکر کی ضرورت ہے متانت وسنجیدگی سے کام لیجئے شاید صحیح عرفاں ہاتھ آجائے۔

جہاں تک دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کی بات ہے اس سلسلے میں عرض ہے ان دونوں کا دامن بھی صاف نہیں ہے اور نہ ہی دودھ سے دھلا ہوا ہے ان کے رویے بھی مشکوک ہیں اور ان کے کردار وعمل کے دائرے کس قدر گھنونے ہیں اس بارے میں ان سے پوچھیے جو اس دائرے سے نکل کر کھلی اور صاف ستھری فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ آپ نے ان کی وکالت ضرور کی مگر اس وکالت کے قبل آپ کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے۔

(۱)۔۔۔۔۔ان دونوں جماعتوں سے علمائے اہلسنت کا ایک بہت بڑا طبقہ بیزار ہے اور ان کی کسی مجلس میں شرکت کو اپنے لیے سم قاتل تصور کرتا ہے آخر تو اس کی کچھ تو وجہ ہوگی؟ کچھ تو سبب ہوگا؟

(۲)۔۔۔۔۔ایک غیر جانب دار مفکر پر لازم تھا کہ وہ دونوں طرف اپنے فکری توازن کو برقرار رکھتے اور علما کرام کے کردار وعمل کو دیکھتے ہوئے انہیں کو نمونہ عمل قرار دیتے۔ اس لیے کہ ہر دور میں عالموں کے عمل پر ہی شخصیت کی تعمیر ہوئی ہے، کسی بھی دور میں غیر عالم کے رویوں کو وہ مقام اور منصب عطا نہ کیا گیا جو اس دور میں دیا جارہا ہے۔ ہم اسے کیا کہیں؟ قربِ قیامت کی علامت یا پھر پڑھے لکھے انسانوں کا غیر متوازن اور غیر متوازی اندازِ روش؟

(۳)۔۔۔۔۔ان دونوں جماعتوں کے رویوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا آئیڈیل خود تبلیغی جماعت ہے کیا آپ نے کبھی ان سے اس بات کی تحقیق کی؟ کہ آپ نے یہ آئیڈیل کیوں اپنایا اس کے پس پردہ آپ کا کیا مقصد ہے؟ نہ آپ نے پوچھا اور نہ انہوں نے بتایا یہ سہما سہما ہوا رویہ کب تک رہے گا؟ اس طلسماتی خول سے باہر نکلنا ہوگا ورنہ موافق آب وہوا کے دستیاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے مذہب ومسلک کے حوالہ سے عرفاں تو حاصل ہوا مگر صحیح عرفاں جو فضل رب ہے اس سے محروم ہو گئے

(۴)۔۔۔۔۔ایسا دیکھا گیا ہے دعوت اسلامی کے لوگ اپنی کسی بھی مجلس کو ”معراج

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' رحمۃ اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے منسوب نہیں کرتے، یہ وہ مسائل ہیں جن پر ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ایسا بھی سنا گیا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے نام اور شناخت کو مٹانے والے کبھی کبھی اپنے جلسوں میں کھڑے ہو کر سلام نہیں پڑھتے۔۔۔۔۔۔ہم پوچھنا چاہتے ہیں اس رویہ کو آپ کس خانے میں رکھتے ہیں؟ احقاقِ حق میں یا ابطالِ باطل میں۔۔۔۔۔ احقاقِ حق کے درجے میں رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کہ یہ احقاقِ حق نہیں بلکہ کتمانِ حق ہے۔ جہاں تک ابطالِ باطل کا معاملہ ہے تو ہم اسے اس کے درجے میں نہیں رکھ سکتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کے ایمان پر ضرب آتی ہے۔ ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ اس رویے سے باطل فرقوں سے دوستی اور ان کی رورعایت مترشح ہوتی ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں جو جماعت اشاروں، کنایوں میں بھی رد کو پسند نہیں کرتی اس کے بارے میں اگر ''صلح کلیت'' جیسا لفظ استعمال کیا جائے تو اس میں کون سی قباحت ہے؟

(۵)۔۔۔۔۔۔آپ نے ''صلح کلیت'' کی نسبت سے ناراض ہو کر جو سوالات قائم کیے ہیں کیا مذکورہ رویوں کے پیش نظر آپ کا یہ سوالات قائم کرنا درست ہے ہاں اگر کوئی جدید نسبت قائم کی جاتی تو آپ کا سوال کرنا مناسب تھا مگر یہاں تو یہ نسبت خود ان کے رویوں نے اجاگر کر دی اس میں ہمارا یا کسی اور کا کیا قصور ہے؟ دن کو دن کہنا یا رات کو رات کہنے میں کسی ثبوت یا شرعی گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور جہاں اس کی ضرورت پیش آئے گی اسے بھی پیش کر دیا جائے گا۔

مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟:

مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟ اب اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس فکر رضا کے سہارے آپ کی عمر گزری ہے اور جس ماحول میں آپ نے پرورش پائی ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے آپ کو پوری جانکاری ہے اس لیے بھی جانکاری ہوگی کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے دستور ہی میں ''مسلک اعلیٰ حضرت

'' کی بات کہی گئی ہے اور اس بات سے بھی انکار نہیں کہ فرزندگان اشرفیہ نے فکر رضا کی اشاعت میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا ہے۔۔۔۔۔۔اب ہمارا سوال ہے کیا اس وقت کسی نے آپ کی طرف انگلی اُٹھائی ہے؟ یا کسی نے اپنی کسی تشویش کا اظہار کیا ہے؟ ہمارے خیال میں اس کا جواب نفی ہی میں ہوگا۔۔۔۔۔۔کیا اس پر آپ غور کر رہے ہیں کہ اب انگلی کیوں اُٹھ رہی ہے؟ اور پوری جماعت کو کچھ رویوں کے سبب تشویش کیوں لاحق ہے؟ کاش اگر آج حضور حافظ ملت بقید حیات ہوتے تو جو تشویش ہم سب کو لاحق ہے وہی تشویش انہیں بھی لاحق ہوتی؟ اس لیے کہ یہ رویہ نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

اب جگر تھام کر بیٹھیے میری باری ہے:

مصباحی صاحب! آپ نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کو کہیں ''فرضی مسلک'' کہا ہے اور ایک مقام پر آپ کے قلم سے ''مزعومہ مسلک'' رقم ہو گیا ہے۔ اور جس مقام اور جس صفحہ پر یہ دونوں الفاظ مرقوم ہیں وہاں آپ نہایت ہی شدید جذبات کے رو میں بہہ گئے ہیں خیر یہ آپ کا اپنا مزاج ہے کہاں آپ نرم روی سے کام لیتے ہیں اور کہاں جذباتی ہوتے ہیں .... مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ثقہ راوی کے حوالے سے فلاں صاحب کے قول کو ''مسلک'' سے تعبیر کر دیا ہے کیا یہ تعبیر درست ہے؟ کیا مسلک کے لیے صرف ایک قول کا ہونا ہی کافی ہے کیا یہی آپ کے نزدیک مسلک ہے؟ چلیے ہم نے فرض کر لیا کہ ہاں یہی قول مسلک ہے تو اب دوسرا یہ سوال آپ کی خدمت میں عرض ہے اس مسلک کا مسلک اعلیٰ حضرت سے کوئی تعلق ہے یا نہیں ہے؟ اگر اس کا اس سے کوئی تعلق ہے تو اس کی کیا نوعیت ہے؟ اور اگر کوئی تعلق نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں میں تضاد ہے تو اب تیسرا یہ سوال ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے فرضی کون ہے؟ وہ مسلک جو قول پر مشتمل ہے یا وہ جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے؟ یا دونوں فرضی ہیں ہمارے خیال میں دونوں فرضی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ دونوں میں تضاد ہے اور جن دو کے مابین تضاد کی کیفیت پائی جاتی ہے دونوں بیک وقت نہ اٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس لیے ان میں سے صرف ایک

ہی فرضی ہوسکتا ہے دوسرا نہیں اگر قول بصورت مسلک فرضی ہے تو ثابت ہوا کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' فرضی نہیں ہے اور اگر یہ فرضی ہے تو وہ درست ہوگا......... اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسلک کے تعلق سے آپ کا عرفاں ابھی ناقص ہے نامکمل ہے اور صحیح نہیں ہے .... اس سے آگے آپ نے فرمایا......... ''کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ بے جا تشدد بلکہ تحمق کے حامل، کچھ انتہا پسند افراد نے اپنی جہالت وحماقت اور اپنی تنگ نظری وکج روی سے اپنے دل ودماغ میں کوئی ایسا مسلک پال رکھا ہے کہ اکابر واسلاف اہلسنت کی ہدایات وارشادات کو بھی وہ لائق اعتنا اور قابل عمل نہیں سمجھتے ہیں'' اس عبارت کا تعلق کس سے ہے؟ قول بصورت مسلک سے یا پھر مسلک اعلیٰ حضرت سے؟ ان میں سے جو بھی ہو اس کا تعین فرمادیں تو آپ کا ہم پر اور ہم جیسے افراد پر زبردست احسان ہوگا کیوں؟ کہ اس تعین سے آپ کو بھی نجات حاصل ہوگی۔ اس کتابچہ میں اور بھی اندھیرا ہے، ظلمت ہے اور تاریکی ہے اور ایسی ظلمت ہے کہ قریب کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی......... یہ آپ کا عرفان ہے اور یہ عرفان آپ ہی کو مبارک ہو۔ ہمیں ایسے عرفان کی ضرورت نہیں ہے۔

غیر دانشمندانہ رویہ :

ثقہ راوی کے ذریعے جس فلاں صاحب کی بات آپ تک پہنچی ہے یہ بات غلط ہے اسی لیے موصوف کو غصہ آ گیا اور آنا بھی چاہیے کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اس پر غصہ ہونے کے بجائے اس فلاں صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہیے کہ کیا واقعی انہوں نے یہ بات کہی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ جس راوی کو آپ ثقہ کہہ رہے ہیں اس کے اور فلاں کے مابین کوئی رنجش رہی ہو، اسی لیے اس نے یہ غلط بات آپ سے بتائی ہو۔ فلاں جو بھی ہے اسے آپ ضرور جانتے ہیں، اسی لیے آپ نے اس کا نام نہیں لیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے یہ فلاں آپ کا قریبی ہو کہ آپ انہیں چھپانے کی کوشش کررہے ہیں اور انہیں ذلت ورسوائی سے آپ بچا رہے ہیں......... اور اگر بات ایسی ہی ہے تو کسی حد تک یہ بھی امکان ہے کہ خود یہ روایت موضوع ہو......... من گڑھت ہو......... جس

کے ذریعہ آپ مسلک اعلیٰ حضرت کو مشکوک کرنے کی کوشش ناکام کررہے ہیں........
کہاں چڑھتا ہوا سورج اور چوتھے آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور پاؤں تلے کا یہ گردوغبار؟ کیا اس سے مسلک اعلیٰ حضرت مجروح ہوگا؟ یا اس سے اس کی تابانی اور رعنائی پر کوئی فرق آئے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اور اگر یہ روایت من گڑھت نہیں ہے تو بتایئے وہ فلاں کون ہے؟ اور ان کا نام پتہ کیا ہے؟ کیا وہ کم پڑھا لکھا ہے یا وہ صاحب منصب عالم ہے اگر وہ کم پڑھا لکھا انساں ہے تو مجھے زبردست افسوس ہے اس کے قول کو آپ نے مسلک کیسے لکھ دیا؟ اور اگر وہ صاحب منصب عالم ہے تو یہ ضرور جھوٹ ہے اور بہتان وافترا ہے کہ کوئی صاحب منصب عالم دین اس طرح کی بات نہیں کرسکتا ہے........ اور اگر واقعی وہ عالم ہے تو اس کا مطلب یہ کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہے جس کا ازالہ کرنا آپ کی مذہبی اور منصبی ذمے داری تھی .... اس کے باوجود آپ خاموش رہے، آخر کیوں؟ ان کی اصلاح کرتے ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے........ ایک ایمان دار صحافی ہونے کی حیثیت سے........ اور ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے........ ان کی اصلاح تو کرنے سے رہے، ہاں آپ کو اصلاح کرنے کا خیال آیا بھی تو کس کی؟ مسلک اعلیٰ حضرت کی........ نہیں اسے مٹانے کا خیال آیا........ یا پھر اس بات کا خیال آیا کہ ایک کے مقابل جمہور علما کی اصلاح کی جائے........ پورے رضوی سماج اور معاشرہ کی اصلاح کی جائے........ خیال تو بہت ہی اچھا اور بہت ہی بلند وبالا ہے مگر اصلاح کا انداز نہایت ہی گھٹیا ہے، گھنونا ہے۔ اس طرح سے کہیں اصلاحی امور انجام دیئے جاتے ہیں؟ اس کے لیے تو بڑی ہی سنجیدگی اور متانت ونرم روی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں جو اصلاح کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے ہیں........ ہاں آپ جس راہ پر چل رہے ہیں اس طرح سے پانی میں آگ لگائی جاتی ہے یا پھر برفیلی چٹانوں کو سلگایا جاتا ہے۔

غیروں سے تعلقات کا مسئلہ

مسلک اعلیٰ حضرت کو پڑھیئے اور ذرا غور سے پڑھیئے اس میں ہر مشکل کا حل پایا جاتا

ہے اسی طرح اس میں ہر گتھی سلجھا دی گئی ہے۔ وہ کیا ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت میں نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس میں مسلک اہلسنت کے سارے مسائل پائے جاتے ہیں اور حالات حاضرہ کی ساری چیزیں پائی جاتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ انصاف سے کام لیا جائے اور چشم کشا انداز میں اسے دیکھا جائے۔ تعصب اور تنگ نظری کو اس سے الگ کر کے دیکھا جانا حرام ہے اوران سے مجالست قطعی ناروا ہے کہ ان سے تعلقات قائم کرنے میں اپنا ہی نقصان ہے اور اپنے ہی ایمان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ مطلوبہ محبت کم ہوتی چلی جاتی ہے مسلک اعلیٰ حضرت کی یہ تعلیم کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے بلکہ عام ہو چکی ہے مذہب سے جو بھی دلچسپی رکھتا ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے سمجھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

پسِ منظر: اس ردعمل کا پس منظر وہ احادیث ہیں جن میں میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کو بدعتیوں اور گمراہ جماعتوں سے دوری بنائے رکھنے کی تعلیم وترغیب دی ہے کہ ان کے ساتھ نشست و برخاست اختیار کرنے کے سبب کیا بعید؟ کہ ان کے مسموم زدہ اثرات ہم میں سرایت کر جائیں اور عشق و ایمان کی سبز و شاداب کھیتیاں ٹہنیوں کے بل زمیں دوز ہو جائیں اس سلسلہ کی کچھ حدیثیں ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں۔ اس مقام پر بزرگوں کی چند تصریحات پیش کی جارہی ہیں، جن کے مطالعہ سے بصیرت حاصل ہو سکتی ہے اور سوکھے دھانوں پر شادابی آسکتی ہے۔ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مختلف معتبر کتابوں کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں......

ولابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عن النبی ﷺ اذا رائیتم صاحب بدعۃ فاکفروفی وجھہ فان اللہ یبغض کل مبتدع ولا یجوز احدمنھم علی الصراۃ لکن یتھاقتون فی النار مثل الجراد والذباب۔ ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کسی بدمذہب کو دیکھو تو اس کے روبرو ترش روئی کرو، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب کو

دشمن رکھتا ہے ان میں کوئی پل صراط پر گزر نہ پائے گا، بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر آگ میں گر پڑیں گے جیسے کہ ٹڈیاں اور مکھیاں گرتی ہیں۔(فتاویٰ رضویہ ششم،ص:۱۰۴)

غنیۃ الطالبین ص:۹۰ میں ہے......

اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غیروں سے یعنی باطل فرقوں سے کسی طرح کا تعلق رکھنا منع ہے۔ہم سب کو وقال فضیل بن عیاض من احب صاحب بدعة احبط الله عمله واخرج نور الایمان من قلبه واذا علم الله عز وجل من اجل انه مبغض لصاحب بدعته دعوت الله تعالیٰ ان یغفر ذنوبه وان قل عمله واذا رایت مبتدعا فی طریقٍ فخذ طریقا آخر۔ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا جس نے صاحب بدعت کو پسند فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال کو اکارت کرے گا اور اس کے دل سے نور ایمان کو نکال لے گا اور اللہ تعالیٰ جب جان لیتا ہے کہ فلاں صاحب بدعت سے نفرت کرتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، جب تم کسی بدعتی کو راستہ میں دیکھو تو تم دوسرا راستہ اختیار کرو۔

کیا بزرگوں کے یہ ارشادات بھی محض اتفاق پر مبنی ہیں نہیں بلکہ یہ پس منظر اور اس کی کیفیت اس بات کی ترغیب دے رہی ہے کہ دین اسلام کو نقصان پہنچانے والی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ردعمل اختیار کرنا چاہیے انفرادی طریقہ پر بھی اور جماعتی نہج پر بھی۔ دوسرے اختیاری فعلوں کی مانند ردعمل بھی استعداد وصلاحیت پر مبنی ہے۔تلوار کی طاقت ہو تو تلوار سے، قلم کی توانائی ہو تو قلم سے، زبان کی طاقت ہو تو زبان سے اور کچھ بھی نہ ہو تو دلوں سے نفرت کیجیے اور دل کے کسی گوشہ میں اسے پنپنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ گمراہ فرقوں کی یہ فتنہ پروری کوئی چنگاری نہیں کہ اس سے چشم پوشی کر لی جائے بلکہ یہ وہ مہلک جراثیم ہیں جو جسم واعضا میں سرایت کر جاتے ہیں اور اچھے خاصے انسانوں کو ایڈس زدہ بنا دیتے ہیں۔خدا خیر کرے ایسی جماعت کا جس کے رگ وپے میں اس طرح کی بے وفائی سرایت کر جائے۔

اشتراک عمل کی حرمت- علمائے اہل سنت وجماعت کی طرف سے باطل فرقوں کا رد وابطال اور رد عمل کو مہتم بالشان کاروائی قرار دینا اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ قرآن واحادیث اور اکابر واسلاف کے اقوال زریں کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے بلکہ یہ واقعی صورت حال ہے کہ باطل فرقوں کے ساتھ معاملات برقرار رکھنا بہر نوع ان کی تعظیم کرنا ہے، صرف کھڑے ہوکر استقبال کرنا ہی تعظیم نہیں ہے اس کی بہت سی نوعیں ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا، اس لیے ہمارے اسلاف نے اس سے منع فرمایا، اصولی اعتبار سے ہر اشتراک عمل منع اور حرام ہے۔ عملی اشتراک دو طرح سے انجام پذیر ہوتا ہے......

(۱) موالات

(۲) معاملات

موالات چونکہ ولایت سے مشتق ہے اور ولایت کا معنی دوستی، قرب اور نزدیکی ہے اس بنیاد پر موالات کی جس قدر منزلیں ہیں ان میں ولایت کے معانی ضرور ماخوذ ہوں گے اس لیے قرآن کریم اور احادیث پاک میں موالات کو ہر کافر سے مطلق منع فرمایا گیا۔ قرآن مقدس میں اسی کو اس طرح بیان فرمایا گیا......

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ آلے گی۔ (پارہ ۱۲، سورہ ھود)

اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ جس نے اسلام وسنیت کے خلاف ریشہ دوانیاں اختیار کیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند قدوس کے برگزیدہ بندوں کی شان میں گستاخیاں کیں، نازیبا کلمات استعمال کیے اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں اور معمولات اہل سنت وجماعت کے جاری رکھنے پر لعن وطعن کیا۔ کیا ایسوں کے ساتھ مصالحت اختیار کی جاسکتی ہے، معاملات استوار کیے جاسکتے ہیں کوئی بھی باشعور انسان اس مصالحت کی ستائش نہیں کرسکتا ہے۔ اسی لیے ہمارے اکابر نے ان کی طرف میلان طبع کو غلط ناجائز اور حرام بتایا

موالات کی حرمت تو ابدی ہے اور جہاں تک معاملات کی بات ہے یہ صرف کافروں کے ساتھ جائز ہے، مگر مرتدین کے ساتھ قطعی جائز نہیں۔ مذکور بالا آیت کے تحت تفسیر روح البیان میں تحریر ہے۔علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں......

لا تمیلوا الیهم ادنی میل۔

یعنی ان کی طرف ذرا سا بھی نہ جھکو۔(تفسیر روح المعانی جلد ہفتم نصف ثانی،ص:۲۳۱)

جب ظالمین و مرتدین کی طرف قدرے جھکاؤ سے جہنم کے دہکتے انگاروں میں گر پڑنے کا قوی اندیشہ ہے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جو انھیں کے رنگوں میں رنگ جاتے ہیں یا پھر رنگ جانے کا ارادہ دلوں میں رکھتے ہیں، یہ افسوس کا مقام ہے کہ اس طرح کے حالات ملت اور قوم کے درمیان اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ملت زبوں حالی کا شکار ہوتی ہے اور ضعف و اضمحلال اس کا نصیب بن جاتا ہے۔آج کی صورت حال یہ ہے کہ افراد قوم غیروں کی طرف جھکتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں ان کی مجالست اور اشتراک عمل کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں، انھیں اپنی ذاتی منفعت کا خیال ہے، مسلک اور ملت کا کوئی خیال نہیں، اس کا انجام کیا ہوگا، اس کا تصور تو ان کے فکر و شعور میں نہیں، اس طرح کے حالات کیا بھیانک صورت حال اختیار کرتے ہیں درج ذیل عبارت کا مطالعہ کیجیے شاید اس بارے میں کوئی ایسا احساس جاگ اُٹھے جو مردہ ضمیروں میں حیات کی رو بیدار کردے۔

قالوا واذا کان حال المیل فی الجمله الیٰ من وجد منه ظلم ما فی الافضا الی مساس الناس النار فما ظنک یمن یمیلالی الراسخین فی الظلم کل المیل، ویتهالک علی مصاحبتهم ومناد منهم ویتعب قلبه وقالبه فی ادخال السرور علیهم ویستنهض الوجل والخیل فی جلب المنافع الیهم ویتبهج بالتزی بزیهم والمشارکة فی غیهم ویمد عینیه الی ما متعوا به من زهرة الغانیه ویغبطهم بما اوتو من القطوف الدانیه غافلا من

حقیقة ذالک۔ ذا ھلاعن منتھی ماھنالک۔

(روح المعانی، جلد ۷، ص:۲۴۱)

ترجمہ:۔ مفسرین نے فرمایا ادنی ظلم کرنے والے کی طرف کبھی کبھی تھوڑی سی توجہ کرنے کا جب یہ حال ہے کہ دوزخ کی آگ اسے چھولے گی تو پھر تیرا کیا خیال ہے؟ اس کے بارے میں جو مکمل طور پر سخت ظالموں کی طرف توجہ کیے ہوئے ہوں، بایں طور کہ وہ ان کی مصاحبت اور مجالست میں گرا جا رہا ہے اور انھیں منافع پہنچانے میں انفرادی اور جماعتی طور پر اٹھ کھڑے ہوں، انھیں خوشی دلانے میں اپنے دل اور جسم کو مشقت میں ڈالے ہوئے ہوں ان کے لباسوں جیسا لباس پہن کر اور ان میں شرکت کر کے خوش ہو رہے ہوں اور اس بات پر چشم پوشی اختیار کر لیے ہوں کہ وہ اس کے ذریعہ کس قدر منافع کما رہے ہیں اور انھیں قابل رشک بنا رہے ہوں اس بات پر جو انھیں قبولیت کی کامیابی ملی اس طرح کا رویہ اپنانے والے اس اشتراک کی حقیقت سے غافل ہیں اور آخرت کی ہلاکتوں سے ناآشنا ہیں۔

تفسیر روح المعانی کی درج بالا عبارت اور اس کے ترجمہ پر غور کیجیے اور بتایئے کہ فرق ضالہ کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کرنے کے نتیجہ میں کس کو کتنا فائدہ حاصل ہوا ہے؟ ہمیں یا انھیں؟ اور ٹوٹے میں کون رہا ہے؟ ہم یا وہ؟ ان سوالوں میں انہماک سے قبل یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ پارس پتھر سے ٹچ ہونے میں فائدہ صرف اور صرف لوہے کو ملتا ہے کہ وہ فولاد سے سونا بن جاتا ہے اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اس کا چہرہ چاند کی مانند چمکنے لگتا ہے پارس کو کیا ملتا ہے؟ اصل میں یہی راہ عمل ہے جس کے لیے آپ کو پیغام عمل کی تلقین کی جا رہی ہے۔ ان تاریکیوں میں جو افراد سفر کر رہے ہیں ان کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ اس سے آپ کو کیا ملے گا، بدنامی، ذلت، رسوائی، افتراق امت کا الزام، اور قوم وملت کو مضمحل کرنے کا داغ، اس کے سوا اگر آپ کے دامن تقدس میں آسماں سے موتیوں کی بارش ہوئی ہو تو بتایئے زرق برق شہروں میں تیز رفتار سواریوں میں سیر سپاٹا یہ بھی کوئی کامیابی ہے۔ ایسی

کامیابی انھیں بھی ملتی ہے جو اسکرین کے پردوں پر تھر کتے ہیں، اگر اسی کا نام کامیابی ہے تو یہ کامیابی آپ ہی کو مبارک ہو، ہم اہل زنداں کے لیے دار و رسن ہی روشن تر کامرانی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

ممکن ہے میری یہ باتیں آپ کے کانوں پہ گراں گزر رہی ہوں گی اور آپ اس غلط فہمی کے شکار بھی ہو رہے ہوں گے کہ یہ تحریر دل پذیر پرائے زمانوں کی راگیں ہیں جو الاپی جا رہی ہیں۔ زمانہ کی رفتار اور بدلتے ہوئے حالات سے ہمیں کوئی واقفیت ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ جس سماج و معاشرہ میں آپ سانسیں لے رہے ہیں اسی میں میری زندگی کے لمحات بھی گزر رہے ہیں زمانہ کے تقاضوں کو ہم بھی جانتے ہیں، میڈیا کی بین الاقوامی حیثیت کا ہمیں بھی اعتراف ہے، مسلمانوں کے تئیں پوری دنیا میں غیروں کی جو سوچیں ہیں ہمیں بھی کھٹک رہی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں یہ دور اتحاد و یگانگت کا تقاضا کر رہا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اتحاد کس کے مابین ہو۔ یگانگت ہونی چاہیے مگر اس کا مورد کون بن سکتا ہے؟ اس پر بھی غور کیجیے۔ مار آستین سے اتحاد بھی کوئی اتحاد ہے؟ ایسوں سے اشتراک عمل بھی کوئی اشتراک عمل ہے؟ یہی وہ منزل ہے جہاں آزادیوں کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے سورماؤں کے قدموں میں لغزشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس موقعہ پر اگر رہنمائی کہیں سے ملتی ہے تو وہ بارگاہ عالی وقار کسی اور کی نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ تو صرف ہمارے اسلاف کی بارگاہ ہے جو سناٹوں میں بھی قیادت کی قندیلیں روشن کیے ہوئے ہیں اور اپنی مذہبی، دینی، تہذیبی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور وہ سرگرمی کچھ اور نہیں، اشتراک عمل کی حرمت ہے اس سے احتراز ہی ہم اہل سنت کی پہچان ہے۔

اشتراک عمل کے نقصانات:

اشتراک عمل کے حامیوں کو اشتراک عمل کی کاروائی پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اپنے دلوں میں اس کے سبب کچھ بھی محسوس کریں مگر اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہماری جماعت کو نقصان پہنچا اور جماعت کی شیرازہ بندی بکھر کر رہ گئی جس نے بھی اس طرح

کے عمل کو انجام دیا اس نے اچھا نہ کیا۔ وہ جماعت کے مجرم ہیں، انھیں اپنے جرم کا اقرار کرنا چاہیے اور تنہائی میں بیٹھ کر اس سے واقع ہونے والے نقصانات پر غور کرنا چاہیے۔ ذیل میں نقصانات کے پہلوؤں کا ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) پارس پتھر۔ اگر فولادوں کے بیچ ہی رہنا شروع کردے، یا زاغوں کے گھونسلوں میں شاہین اپنا بسیرا کرلے، تو اس میں پارس اور شاہین کی بدنامی ہے۔

(۲) غیروں کے ساتھ مشارکت کے نتیجہ میں بدنامی کسے ملی؟ سنی علما کو۔

(۳) سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں یہ ضرور خیال پیدا ہوا ہوگا، کہ اب اہل سنت کا شیرازہ بکھر گیا اور جماعتی نظام میں دراڑ پیدا ہو گیا۔

(۴) مذکور بالا خیال کا آنا کوئی غلط بات نہ ہوگی، کیونکہ آج آپ جیسے چند غیر محتاط عالموں کی غیر فکری رویوں کے سبب ملت میں افتراق پیدا ہو گیا ہے۔

(۵) ہم اہل سنت اندرونی طور پر کرب واضطراب میں مبتلا ہوئے۔

قوم وملت کے حق میں کیا یہ نقصانات کم ہیں؟ کیا یہ نظر انداز کیے جانے کے لائق ہیں؟ اگر آپ حضرات کے دلوں میں ملت کا درد ہے تو آپ کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ یہ نقصانات بہت زیادہ مضر ہیں، کسی بھی صورت میں ان خطرات سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے۔ میں مانتا ہوں اشتراک عمل کے دل دادگان، دانشور ہیں، صاحب بصیرت ہیں اور دورِ حاضر کے جدید تقاضوں سے آشنا ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ایسے کارناموں کو انجام دیں، جنسے جماعتی عزت وآبرو نیلام ہو جائے، کہنے والوں نے بڑی اچھی اور شاندار بات کہی ہے:

والعاقل وان كان واثقا بقوته وفضله لا ينبغي ان يحمله
ذالك على ان يخلب العداوة على نفسه اتكالا على ما عنده
من الراى والقوة كما انه ان كان عنده الترياق لا ينبغي
له ان يشرب السم، اتكالا على ما عنده۔ (منثورات، ص:۷۱)

ترجمہ: دانشور اگر چہ اپنی رائے اور قوت فکر پر بھروسہ کرے مگر اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی رائے کے ذریعہ عداوت کو اپنے لیے پسند کرے، اپنی رائے اور سوجھ بوجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے، جس طرح اگر کسی کے پاس تریاق زہر ہو کیا وہ اس پر بھروسہ کرتے ہوئے زہر پئے گا۔

آج یہی ہو رہا ہے۔ جدیدیئے اپنی دانشوری اور فکر وبصیرت پر ناز کرتے ہوئے ایسے ہی کارنامے انجام دے رہے ہیں جن کی وجہ سے افرادی قوتوں کو بھی نقصان ہوا اور جماعتی نظام بھی تلملا اُٹھا۔ یہ صرف سنی سنائی بات نہیں آج جماعت اہل سنت کے سامنے جو مشکلات کھڑی ہیں، سبھی حضرات اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج جماعت مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے اور چاند ماری کا سلسلہ بھی دراز ہوتا جا رہا ہے۔ اکابر اہل سنت سے انحراف کا جذبہ وہ آتش فشاں ثابت ہوا جس سے تن من میں آگ لگ گئی۔ کیا اسی کا نام دانشوری ہے؟ اور اسی کو تدبیر کا نام دیا جا رہا ہے۔ وہ کیسے تھے جنھوں نے خون پسینہ ایک کر کے شاہراہ حیات کو سنوارا تھا اور نجات کے راستہ کو صاف وشفاف کیا تھا؟ مگر آج اسے دھندلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، افسوس صد افسوس۔

ایک غلط روایت کی ابتدا:

اسلام وسنیت فقہی علوم کے تناظر میں اشتراک عمل کی کوئی حیثیت نہیں یہاں مطلق اشتراک عمل مراد نہیں بلکہ وہ اشتراک عمل مراد ہے جو فرق باطلہ، ضالہ کی مجالست پر مشتمل ہوا کرتا ہے اس کا وجود قبیح وجود ہے، اس بنیاد پر اس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یاران نکتہ داں نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر یہ گتھی الجھائی ہے۔ سردست یہ اگر چہ اپنے ابتدائی وجود میں صرف ایک اشتراک عمل ہے مگر اسے روایت کی شکل دینے کی تیاری چل رہی ہے۔ اکابر واسلاف کے نظریوں سے انحراف کسی بھی معتبر شخصیت کی طرف مسلک کی نسبت سے انکار، حدیث افتراق امت کی توضیح وتشریح سے غلط تاثر ڈالنے کی کوشش، موجودہ دور کے علمائے کرام کی شخصیت پر غیر مثبت انداز میں تنقیدوں کی بوچھار، یہ تمام

کوششیں اسی غلط روایت کے ناتواں جسم میں تاب وتوانائی پیدا کرنے کے لیے کی جارہی ہیں۔ روایت میں سرعت وتیز رفتاری نہیں ہوتی ہے، وہ نہایت ہی آہستہ روی سے اپنے کاموں کو انجام دیتی ہے۔ یکے بعد دیگرے اشتراک عمل کو اپنانے کے سبب ہی روایت زندہ ہوتی ہے اور اسی کی بار بار کوششیں کی جارہی ہیں تسلسل کا یہ عمل کیا روپ اختیار کرے گا؟ اس کا احساس بہت ہی بعد میں ہوگا۔ اسی اشتراک عمل کے سبب دلوں میں کدورت اور ذہنوں میں کچھ ایسی بغاوت پھیل گئی کہ اشتراک عمل کو فرضی بنیادوں پر قائم کیا جارہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے فتنہ وفساد کے بہت سے دریچے کھل جائیں گے اور پھر انسانی جماعتیں کرب واضطراب میں مبتلا ہوجائیں گی۔

یہ روایت غیر شرعی اور بدعت قبیحہ ہے، تمام مسلمانوں کو اس سے دور بھاگنا چاہیے یہی اسلام کا فیصلہ ہے اور اکابرین اسلام کا نظریہ وعمل بھی کسی بھی دور میں اسے جائز نہیں کہا گیا ہے، اگر کبھی کسی صورت میں مجبوری کی حالت میں جائز تصور کیا گیا، تو اس سے متعلق واقعہ یا طرز عمل کو مقیس علیہ نہیں بنایا جاسکتا ہے بلکہ ضرورت وحاجت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر غور وخوض کیا جاسکتا ہے مگر دورِ حاضر میں اشتراک عمل کو جس حیثیت سے انجام دیا جارہا ہے اسے ضرورت وحاجت کے دائرہ میں لانا جوئے شیر جاری کرنے کے مترادف ہوگا۔ اگر یارانِ نکتہ داں کے دلوں میں اشتراک عمل کا لاوا پک رہا تھا تو پہلے اسے بحث کی میز پر لانا چاہیے تھا، ایسا نہ کرکے انھوں نے خود ثابت کردیا کہ یہاں ضرورت وحاجت نہیں، کیونکہ اس کا تعلق انفرادیت سے نہیں بلکہ اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے، مگر یہاں کچھ ایسا معاملہ انجام دیا گیا جس کی وجہ سے انفرادیت، اجتماعیت پر ترجیح پاگئی اور اس بارے میں علمائے اہل سنت سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا گیا۔ اجتماعیت سے چشم پوشی، انفرادیت کو تابانیوں سے ہمکنار کرنا میں سمجھتا ہوں یہ بھی ایک قسم کی رعونت، تکبر اور غرور ہے اور شیطانی وسوسوں کا اظہار ہے، قبیح کی قباحت کو تسلیم نہ کرنا، بلکہ اس کی مدح سرائی میں زبان وقلم کا استعمال کرنا، غلط روی ہے جس سے منزلیں دور تو ہوسکتی ہیں نزدیک نہیں آ

سکتیں۔ لہٰذا یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اشتراک عمل بر بنائے زینت ہے، ضرورت و حاجت نہیں، یہ نظریہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ ضرورت و حاجت کو اس قدر ارزاں نہ کیجیے کہ ہر طرح کے امور ضرورت و حاجت کے دائرہ میں آ جائیں اور علم فقہ کی یہ دونوں اصطلاحیں اپنی معنویت کھو بیٹھیں۔ اشتراک عمل کا اگر یہی تسلسل اسی طرح چلتا رہا تو جدت طرازیوں سے یہ کوئی بعید نہیں کہ دونوں اصطلاحوں کو داؤں پر لگا دیں۔

اشتراک عمل مقاصد شرع کے تناظر میں:

ضرورت و حاجت فقہی اصطلاحیں ہیں اور اس کے مواقع استعمال بھی، علم فقہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ضرورت و حاجت کا وہی معنی مراد لیا جائے گا، جسے علم فقہ نے متعین کیا اور اس کے مواقع استعمال بھی فقہی تناظر میں متعین کیے جائیں گے، ایسا نہیں ہے کہ عام ضرورت ہی فقہی ضرورت ہے اور جہاں چاہیں اس کا استعمال کریں اگر ایسا کیا جائے گا تو حدود شریعت پامال ہو جائیں گے اور ہر حرام چیز اباحت کے درجہ میں آ جائے گی کیونکہ اس زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی ضرورت نہ ہو اور اس کی حاجت نہ ہو۔ مقاصد شرع کل پانچ ہیں......

(۱) تحفظ دین (۲) تحفظ عقل (۳) تحفظ نسل (۴) تحفظ نفس (۵) تحفظ مال۔ اب غیروں کے ساتھ اشتراک عمل کو مقاصد شرع کے تناظر میں دیکھئے اور غور کیجیے کہ اس سے کس کی حفاظت ہو رہی ہے، دین کی یا عقل، نسل کی یا نفس کی یا پھر مال کی۔ اگر دل میں انصاف و دیانت کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے تو آپ کے ضمیر کی یہی آواز ہو گی کہ اشتراک عمل کا ان مقاصد شرع میں سے کسی مقصد سے کوئی تعلق نہیں اشتراک عمل اگر ان میں سے کسی بھی مقصد شرع کا موقوف علیہ ہوتا تو اسے ضرورت کے مرتبہ میں رکھا جاتا، اور اگر اشتراک عمل کے ترک کرنے میں لحوق مشقت یا پھر کسی ضرر و حرج کا ظن غالب ہوتا تو اسے حاجت کے روپ میں دیکھا جاتا، یہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں، اس لیے اسے ضرورت و حاجت کے رتبہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ اس سے کیا فائدہ

حاصل ہورہا ہے؟ اگر فائدہ ہورہا ہے تو کسے؟ دین کو یا عقل کو، نفس کو یا پھر مال کو اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ فائدہ شریعت کی رو سے مقصود ہے یا نہیں، اگر مقصود ہے تو یہ زینت ہے، میرے خیال میں یہ فوائد مقصودہ میں سے نہیں ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں، فوائد مقصودہ نہ ہونے اور حدود شریعت کی پامالی کی وجہ سے یہ اشتراک عمل فضول و بکواس ہے۔ کوئی بھی باشعور انسان اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اشتراک عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، یہ نفس پرستی اور ذاتی منفعت کے سبب قوم وملت اور دین ومذہب کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اب تک تمام علمائے اہل سنت کا یہی فیصلہ رہا ہے۔

استثنائی صورتیں:

ہمارے علمائے کرام زمانہ کے جدید تقاضوں سے خوب واقف ہیں، مبتدعین کی مجالست ومشارکت کہاں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں، اصولی انداز میں اسے بھی خوب جانتے ہیں۔ مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب امجدی اس کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں......

(۱) ردومناظرہ کی مجالست

(۲) مصالحہ شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں صرف اہل حق کی قیادت ہو اور انھیں کو عملاً غلبہ حاصل ہو۔

(۳) مصالحہ شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں اگرچہ قیادت مشترک ہو مگر شرکت کرنے والے اہل حق موثر شخصیت کے حامل ہوں جن کے آگے گمراہ فرقے سر ابھارنے کی جرأت نہ کرسکیں اور نہ کارنامہ اپنے نام ریزرو کریں۔

(۴) وہ ضرورت شرعیہ جو بے اشتراک عمل پوری نہ ہوسکے۔

(۵) وہ ضرورت شرعیہ یا مصلحت شرعیہ جس میں اشتراک نہ ہو تو ہر بدمذہبوں کو قوت حاصل ہونا مظنون ہو۔

لیکن ان تمام استثنائی صورتوں میں ایک شرط مشترک یہ ہے کہ موالات کا کوئی عمل نہ کیا جائے، اور نہ ہی بد مذہبوں کی کسی طرح کوئی تعظیم وتوقیر پائی جائے۔

اشتراک عمل اور اہل سنت و جماعت کا موقف۔ دورِ حاضر میں اشتراک عمل کے داعیوں میں سے کسی کی بھی اس طرح کی مجلسوں میں شرکت، صرف براہ نفسانیت ہے یا بر بنائے حصول شہرت ہے۔ ملت کو ایسے ناخداؤں کے خرد برد سے بچانا ضروری ہے۔ دوسرے فتنوں کی طرح اشتراک عمل بھی ایک فتنہ کے روپ میں ظاہر ہو چکا ہے، اس کے دفاع کے لیے ہمارے علمائے اہل سنت کو میدان میں آنا ہوگا، ورنہ مسلکی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا اور تکثیری معاملات میں اس طرح کھو جائے گا کہ اس کا تشخص اور اس کی انفرادیت ہی سرے سے ختم ہو جائے گی۔ یہ ذمہ داری علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے جو مدارس ومکاتب یا خانقاہیں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں، انھیں اپنا احتساب کرنا چاہیے اور بہت کچھ سوچ سمجھ کر اقدام کرنا چاہیے ورنہ ان کی ادنیٰ سی غلطی کی سزا ملت کو برسوں بھگتنی پڑے گی۔ اسی پر میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں اس التجا کے ساتھ کہ اہل قلم، اہل زبان اٹھ کھڑے ہوں کہیں پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے۔

گزشتہ صفحات میں استثنا کی جو صورتیں پیش کی گئی ہیں ذرا انہیں غور سے پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ غیروں کی مجلس میں شرکت کے لیے ہر ایک کو اجازت نہیں دی جا سکتی ہے اس کے لیے باوقار اور بارعب شخصیت ہونا ضروری ہے تا کہ مخالفین ان کی موجودگی میں ہمارے خلاف بولنے کی جرأت نہ کر سکیں اور ہمارے حقوق کی صیانت میں آڑے نہ آسکیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی معلومات میں وسعت ہو ان میں بولنے کی پوری صلاحیت پائی جائے اور اس کام کے لیے ایسے فرد عظیم کا انتخاب کیا جائے جو ہر اعتبار سے افضل اور فائق ہو کہ مسئلہ یہاں تحفظ حقوق کا ہے اور دفع مضرت کا ہے اور مقصد عظیم کا ہے اجتماعی مزاج کی نمائندگی کا ہے۔ ہرا یرے غیرے اور نتھو خیرے کو اس کے لیے نہیں بھیجا سکتا ہے۔ اسی لیے حضور پرنور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ۱۹۱۷ء میں ایک بر

طانوی وزیر ''مانٹی گو'' کی میٹنگ میں شرکت کے لیے اپنے شہزادۂ گرامی حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں، حضرت مولانا ظہور احمد رام پوری، جناب مولوی رحم الٰہی صاحب منگلوری اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی اور دیگر خلفا کو بھیجا........ اسی طرح ایک اور موقعہ پر سرکار مفتی اعظم نے حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق صاحب جبلپوری اور علامہ ارشد القادری کو بھیجا........ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کام کے لیے ہر آدمی انفرادی طور پر آزاد ہے اور اسے اس بات کا اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے چلا جائے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے........ دور حاضر میں ہمارے نوجوان علما مسئلہ کی نزاکت کو نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کا اپنا خیال ہے کہ جب سرکار اعلیٰ حضرت نے کچھ علما کو غیروں کے ساتھ مل جل کر بیٹھنے کی اجازت دی ہے تو وہ اجازت آج ہمیں بھی حاصل ہے، نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر ان کا یہی خیال ہے تو یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ بہت ہی زیادہ غلط ہے۔ وہ افراد جو غیروں میں جا کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان کے اثرات کو قبول کر لیتے ہیں اور پڑھائے ہوئے اسباق کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں کسی بھی صورت میں غیروں کے روبرو میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ دور حاضر میں یہ وبا عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کوئی رافضی کے یہاں جاتا ہے اور کسی نے مودودی کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا ہے۔ کسی نے وہابیوں سے دوستی کر لی ہے اور کسی کا دیوبندیوں کے یہاں آنا جانا ہے۔ یہ تمام رویے استثنائی صورتوں میں نہیں آتے ہیں۔ انہیں رویوں پر گرفت کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ ارباب نخوت باجرہ کی مانند بکھر گئے اور اپنے اسلاف کے خلاف ہو گئے۔ رویوں سے اسلاف کی مخالفت کی جارہی ہے اور دوسری طرف اسلاف شناسی کی تحریک چلائی جارہی ہے۔ اس عمل کو کیا کہا جائے؟ اور کن لفظوں سے اس کی تعبیر کی جائے بتایئے ایسا کوئی لفظ ہے؟ یہ بچوں کی ضد اور انانیت کا مسئلہ نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہاں عالم تو یہ ہے کہ شیخ حرم بھی اس رو میں بہتے ہوئے نظر آرہے ہیں........ دور حاضر میں ایسا کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں ہے کہ غیروں کے ساتھ اشتراک عمل کی گنجائش نکالی جائے بلکہ یہ یہ پالیسی وضع ہو چکی ہے کہ وہ

اپنی لڑائی لڑے اور ہم اپنی لڑائی لڑیں یہ پالیسی کوئی آج کی نئی پالیسی نہیں ہے بلکہ برسوں پرانی ہے۔ شاہ بانو کے کیس کا معاملہ آیا، غیروں نے اشتراک عمل سے علاحدہ ہو کر احتجاج کیا اور ہماری جماعت نے مسلم پرسنل لا کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اپنی لڑائی لڑی .... یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس وقت اس بات کو سبھی علما جانتے ہیں اس لیے جماعتی طور پر اس اشتراک عمل کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایسی کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو اب بھی ہماری جماعت میں بڑے بڑے علما ہیں، ان کا جو فیصلہ ہوگا اور جن کے لیے ہوگا وہ قابل عمل ہوگا۔ اپنے طور پر اشتراک عمل کی گنجائش نکالنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

غلو اور تشدد والے کون ہیں؟

عرفان مذہب ومسلک کے سلسلے میں انہوں نے ''غلو اور تشدد کی بات کہی ہے مگر یہ کون لوگ ہیں؟ اس بارے میں انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی ہے کیا یہ غلو اور تشدد والے عوام میں سے ہیں یا پھر علما میں سے ہیں! ان کے نزدیک جو صحیح ہو اس کا تعین کر دیں اور اس بات کی وضاحت بھی مطلوب ہے کہ یہاں کس بنیاد پر تشدد کہا جا رہا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس کے ذریعہ ہم تشدد سے بچ سکتے ہیں؟ جراح اگر چیرہ لگا کر تکلیف دیتا ہے تو مرہم پٹی لگا کر اسے آرام بھی پہونچاتا ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے۔ یہ بتایا جائے کہ تشدد کیا ہے؟ اور اس بچنے کی کیا صورت ہے؟ جب تک یہ تعین نہیں ہوگا ہم سب کے ذہنوں میں وسوسے پیدا ہوتے رہیں گے اور کرب واضطراب میں اضافہ ہوتا رہے گا اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرماتے ہیں ہمیں اس بات کا شدت سے انتظار رہے گا

شرعی کونسل بریلی شریف

اس کا تعارف کراتے ہوئے مصباحی صاحب تحریر کرتے ہیں:

مرکز اہلسنت بریلی شریف میں شرعی کونسل کا قیام عمل میں آچکا ہے جس کے زیر اہتمام سال بہ سال فقہی سیمینار کا انعقاد جامعۃ الرضا متھرا روڈ بریلی شریف میں ہوتا رہتا

ہے اور جدید مسائل ومعاملات پر غور وخوض کر کے ان کے سلسلے میں کوئی شرعی وفقہی فیصلہ کیا جاتا ہے'' اس کے قیام پر مصباحی صاحب نے اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار کیا ہے یہ کس کی سرپرستی میں ہوتا ہے اور اس میں کون کولوگ شریک ہوتے ہیں مصباحی صاحب نے اس کی بھی وضاحت کی ہے مگر آگے چل کر آنجناب اس کی شکایت اس طرح کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں'' آپ لکھتے ہیں کہ چھ سات سال پہلے کی بات ہے کہ نامعلوم اسباب کے تحت حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین وحضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی وحضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، حضرت مفتی محمد مطیع الرحمان مضطر پورنوی اور راقم السطور یس اختر مصباحی کے نام فہرست شرکا مدعوین سے بیک جنبش قلم اجتماعی طور پر خارج کردیئے گئے'' یہ پوری تحریر شکوہ وشکایت پر مبنی ہے آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

''مجھے اپنے بارے میں اس اعتراف واظہار واعلان میں کوئی تکلف نہیں کہ فقہ وافتا میں درک وکمال تو دور کی بات ہے اوسط بلکہ ادنی درجہ کا بھی علم اور صلاحیت میرے پاس نہیں ہے اس لیے جو ہوا بہتر ہوا البتہ دیگر حضرات کا کیا جرم وقصور تھا؟ کیا وہ شرکا مدعوین سیمینار کی آخری صف میں بھی جگہ پانے کے اہل نہیں۔۔۔۔۔۔ یہ معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تحریر شکایت بھری تحریر ہے........ بات چل رہی تھی مذہب ومسلک کے عرفان کی........ کہ یہی اس کتابچہ کا موضوع ہے مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس شکایت کا کیا تعلق ہے؟ اور عرفان میں یہ کس حد تک مداخلت کرتا ہے کہ عرفان اندرون قلب کے جذبہ صادق کا نام ہے یہ جذبہ اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے کہ اس راہ میں وہی کام انجام دیا جائے جو مبنی بر خلوص ہو اور شکایت کا تعلق نفسیات انسانی سے ہے اس لیے اس کتاب میں اس کا ذکر کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟ اسے آپ ہی بتا سکتے ہیں کوئی دوسرا انسان اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہے؟ اس کا مناسب تدارک یہ تھا کہ اسے کتابچہ میں شائع نہ کیا جاتا بلکہ اس کے ذمہ داروں سے اس بارے میں رابطہ قائم کیا جاتا

اور تدارک کی جو صورت ہوتی اسے اپنایا جاتا تو بہتر تھا........ مگر ایسا نہ کیا گیا آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتا ہے؟ یہی نا کہ آپ اس بارے میں تدارک کی صورت اپنانے کے بجائے آگ لگانا چاہتے ہیں ہو سکتا ہے اوروں کے بارے میں بھی اسی طرح کی کوئی صورت رہی ہو جس کی وجہ سے ان کے نام خارج کر دیئے گئے ہوں اس بارے میں کیا حقیقی صورت حال ہے؟ مجھے کوئی جانکاری نہیں ہے حالانکہ اس بارے میں جانکاری آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہرادارہ والا آزاد ہے وہ کسے بلائے اور کسے نہ بلائے اور کوئی بھی ادارہ سب کو بلا نہیں سکتا ہے خود اشرفیہ میں فقہی سیمینار میں سب کو نہیں بلائے جاتے ہیں بلکہ صرف انہیں کو بلایا جاتا ہے جو ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کو نہیں بلایا جاتا ہے اس میں شکایت کی کیا بات ہے ہر آدمی اپنی مرضی کا مالک ہے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کا نام فہرست سے خارج نہیں کیا گیا ہے بلکہ انہوں نے خود آنا بند کر دیا ہے اسی لیے آج تک انہوں نے شکایت نہیں کی ہے کہ خود کردہ را علاج نیست اس کے علاوہ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ شاید آپ اسے جانتے ہوں گے۔

کیا مسلک اعلیٰ حضرت محدود ہے؟

جن لوگوں نے ''مسلک اعلیٰ حضرت کا نکار کیا ہے انہوں نے بڑے ہی شد و مد کے ساتھ اس بات کا بار بار اظہار کیا ہے کہ ہم مسلک اعلیٰ حضرت کیوں کہیں؟ یہ محدود ہے، اس کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے۔ اس میں نہ وسعت ہے اور نہ ہی اس میں کشادگی پائی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں ان کی یہ وجہ بہت ہی کمزور اور مضمحل ہے اور فکر و شعور سے بھی کوسوں دور ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مولانا یاسین اختر مصباحی نے اس بات کی وکالت ہے مگر ہمارا اپنا ماننا یہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت محدود اور تنگ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلک اہلسنت کی تعبیر ہے اور اس کی واضح علامت ہے یہ ہے کہ تعبیر کے اصولوں میں سے ایک اہم یہ اصول ہے کہ معبر اور تعبیر کے مابین مساوات ہونے چاہیے کہ اور

اگر مساوات نہ ہوتو یہ تعبیر غیر مؤثر ہوگی اور یہ معبر عنہ کی نہ علامت بن سکتی ہے اور نہ ہی اسے نشان امتیاز کا نام دیا جا سکتا ہے چونکہ مسلک اعلیٰ حضرت اہل سنت کی علامت اور امتیازی نشان ہے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اس بات کو ہر ایک نے مانا ہے علم والے بھی اسے مانتے ہیں اور دانشوروں کا ایک طبقہ اسے تسلیم بھی کرتا ہے اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو بھی وہی حیثیت حاصل ہے جو حیثیت مسلک اہلسنت کی تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ ایک آفاقی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں کافی کشادگی پائی جاتی بالکل یہی حیثیت ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو بھی حاصل رہے گی۔ اسی بین بین کی حیثیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے مسلک اعلیٰ حضرت ہی بعینہ مسلک اہلسنت ہے یہ آفاقی ہے تو وہ بھی آفاقی ہوگا۔

مسلک اعلیٰ حضرت کو پکڑے رہیں یہی وقت کی ضرورت ہے اور زمانہ کی آواز ہے اسی میں بہتری اور دونوں جہاں کی نعمتیں ہیں جس نے اسے اپنایا وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور جس نے اسے ٹھکرا دیا وہ دردر کی ٹھوکروں میں رہا کوئی پرسان حال نہیں نہ قریب میں اور نہ ہی دور میں۔۔۔۔۔۔۔

حضرات گرامی۔۔۔۔۔لوگ طرح طرح کے حیلے اور بہانے سے آپ کے پاس آئیں گے اور بہت کچھ کہیں گے اپنا رونا بھی روئیں گے اور اپنی خوشگوار ماضی کی داستاں بھی بتائیں گے میں نے یہ کیا۔۔۔اور میں نے وہ کیا۔۔۔۔فکر رضا کی اشاعت اور اس کے فروغ وارتقا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۔۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے کیا اور بہت کچھ کیا اور آج بھی کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ کل بھی کریں گے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہمارے اسلاف نے ہمیں جو کچھ دیا ہم انہیں بھلا دیں مسلک اعلیٰ حضرت کو فراموش کر دیں؟ آخر کیوں؟ اس میں کیا غلطی ہے؟ کیا خطا ہے؟ کہ اس قدر شدومد کے ساتھ جنگ جیسا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے صرف اس لیے کہ شرعی کونسل میں نہیں بلایا جاتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ تحقیقات جدیدہ میں سے کچھ پر صاد نہیں کیا جاتا ہے۔۔۔

جو بات ہے اسے بیان کیا جائے ملت میں انتشار پیدا کرنا اور جمعیت واتحاد کو پارہ پارہ کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اندھیروں کا یوراج نہ بنیں تو بہتر ہے۔۔۔۔

انسان ہی بھٹکتا ہے سیدھی راہ کو چھوڑ کر کبھی وہ پکڈنڈی پر چلتا ہے اور کبھی ٹیڑھے میڑھے اور تنگ وتاریک راہ کا مسافر بنتا ہے اس کے باوجود ایک ایسی ساعت سعید ضرور آتی ہے جب بھٹکا ہوا مسافر اپنی راہ پر آجاتا ہے اور اُجالوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ ہمیں اور ہمارے دوستوں کو اسی بات کا انتظار ہے کہ فوز مرامی کی صبح کب انگڑائی لیتی ہے اور دل کی تمنائیں کب پا بجولاں ہوتی ہیں اور بھٹکا ہوا مسافر کب اپنی منزل سے ہمکنار ہوتا ہے۔۔۔۔۔انتظار ہے۔۔۔۔شدید انتظار ہے۔۔۔۔خدارا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے اور سب کو توفیق ہدایت نصیب کرے۔۔۔۔آمین یا سید المرسلین

محمد شمشاد حسین رضوی بھاگلپوری ثم بدایونی

سید اولادِ رسول قدسیؔ، نیویارک، امریکہ

مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا

تجھ کو باہوں میں لے لے گی رحمت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
ہوگی قسمت تری رشکِ خلقت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
ہوگا ایمان تیرا منور گلشن روح ہوگا معطر
تجھ کو مل جائے گی رب کی قربت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
رشک تجھ پہ کرے گا زمانہ، ہوگا ہر لب پہ تیرا ترانہ
تجھ پہ ہوگی فدا حق کی دولت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
قلب تیرا بنے گا مدینہ، عشقِ شاہِ زمن کا خزینہ
اور کریں گے ملک تیری مدحت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
تجھ کو الحب فی اللہ کی بھی، ہوگی تحصیل ادراکِ کلی
ہوگی واضح عقیدے کی صورت مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
آئیں گی زندگی میں بہاریں، دور ہو جائیں گی سب بلائیں
ہوگی ولیوں سے مضبوط نسبت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
بندگی کا ملے گا سلیقہ، نعمت رب کا دریا بہے گا
ہوگا پابوس گلزارِ جنت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
کیا نہیں یاد تجھ کو ہے ناداں، یہ بزرگوں کا فرمانِ ذیشان
ہے یہی عین دین وشریعت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا
دل میں کلیاں خوشی کی کھلیں گی، درد وغم سے ملے گی رہائی
غیب سے آتی جائے گی نصرت، مسلکِ اعلیٰ حضرت میں آجا

نور بر سے گا ایقاں میں پیہم، دیدنی ہوگا پر کیف عالم
غیب بن جائے گا خود شہادت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

کو بہ کو کیوں بھٹکتا ہے ناصح، کیا نہیں حق ہوا تجھ پہ واضح
غور سے سن تو آوازِ ملت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

کیا نہیں تجھ میں خوفِ جہنم، چھوڑ فتنہ گری کی یہ سرگم
مخلصانہ میری ہے یہ دعوت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

بعد میں بننا جو بھی ہے بننا، پہلے کر حق ادا تو رضا کا
خود کو کہلانا پھر اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

ہے عقیدہ صحابہ کا اس میں، حکم ہے سب ائمہ کا اس میں
حسن عقبیٰ کی ہے یہ ضمانت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

ہے یہی خیر خواہِ مسلماں، کون ہے اس کے جیسا نگہباں
اپنے اندر اسے کر سرایت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

پرفتن ہے بہت دورِ حاضر، ڈھیر ہو جائیں گے سارے شاطر
کر تو فکر رضا کی حمایت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

اس میں قرآں کی ہے ترجمانی، اور احادیث کی جلوہ باری
اس سے روشن ہے شمع حقیقت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

مصطفیٰ کی نگاہِ کرم کی ، بارشیں خوب ہوتی رہیں گی
خیر مقدم کرے گی سعادت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

جاں گسل عالم حشر ہوگا، طشت ازبام بھی صبر ہوگا
چاہیے گر نبی کی شفاعت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

آئیں گے بن کے رحمت نکیرین، روحِ مضطر کو مل جائے گا چین
قبر میں ہوگی تسکین وراحت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

جاں کنی کی گھڑی ہوگی مشکل، خوف سے کانپتا جائے گا دل
ہوگی آقا کی تجھ کو زیارت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
ہوں گے ناکام بددین سارے، سرنگوں ہوں گے سب تیرے آگے
ساتھ تیرے رہے گی ہدایت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
حق و باطل کی واضح نشانی، دودھ کا دودھ پانی کا پانی
اس پرکھ کی ملے گی بصیرت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
دیکھنا سامنے کیسے تیرے، ہوں گے نوری لطافت کے جلوے
دور ہوجائے گی سب کثافت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
تیرگی کذب کی دور ہوگی، مکر کی راہ میں ناکہ بندی
جل اُٹھے گا چراغِ صداقت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
فکر کو ڈھال فکرِ رضا پر، بن تو اخلاص والفت کا پیکر
دین حق میں تو مت کر سیاست، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
دیوبندی ہو یا پھر وہابی، یا کہ ہو صلح کلی کی ٹولی
ہوگی ان سب سے تازیست نفرت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
ذوقِ حسن عمل ہوگا پیدا، رنگ ایمان کا ہوگا گہرا
دیدنی ہوگی دینی صلابت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
پرتو الفِ ثانی تو بن جا، اور نڈر حق کا راہی تو بن جا
بدمذہبوں کی نہ کر رورعایت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
سارے ہوجائیں گے مسئلے حل، سرخرو ہوجائے گا ہر پل
خیر مقدم کرے گی بشاشت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
دل میں ہوگی طہارت کی بارش، بند ہوجائے گی شر کی شورش
ہوگی لبریز جلوؤں سے قسمت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

تجھ کو سرکارِ غوث الوریٰ کی، رہبری ہر قدم پر ملے گی
رنگ لائے گی تیری عقیدت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
خواجۂ خواجگاں کا سہارا، تیرا ہم دم رہے گا ہمیشہ
رشک تجھ پر کرے گی سعادت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
دل کے شبہات ہوجائیں گے دور، فہم کی سرزمیں ہوگی پرنور
ہوگی حقانیت کی وضاحت، مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا
تیرے سر پر ہمیشہ رہے گا، فضلِ ربِّ دوعالم کا سایہ
ہے یہ قدسیؔ کی تجھ کو نصیحت مسلک اعلیٰ حضرت میں آجا

✻ ✻ ✻ ✻

بچایا ہے ایمان کس نے رضا نے

کیاہم پہ احسان کس نے رضانے بچایا ہے ایمان کس نے رضا نے

یہ جذبہ کیا پیدا دل میں ہمارے ہو آقا پہ قربان کس نے رضانے

کہو حق کو حق اور باطل کو باطل دیا ایسا عرفان کس نے رضانے

چمکتا ہر اک شیشہ ہیرانہیں ہے دیاہم کویہ گیان کس نے رضانے

ہیں ہم سارے فرقوں میں بس حق پہ قائم دی مخصوص پہچان کس نے رضانے

غلط ترجموں سے کیا ہم کو محتاط دیا کنزالایمان کس نے رضانے

اداکرکے تجدیداسلام کا حق کیا سب کو حیران کس نے رضانے

دیا عشقِ شاہِ دوعالم سے لبریز یہ نعتوں کا دیوان کس نے رضانے

دئے مشتمل بارہ جلدوں پہ ہم کو فتاوائے ذیشان کس نے رضانے

جہاں میں ہراک سمت ہم سنیوں کی بڑھائی ہے یہ شان کس نے رضانے

عطائے خداعلمِ غیب نبی پر کیا پیش برھان کس نے رضانے

نکالا تذبذب کی دلدل سے ہم کو کیا دور خلجان کس نے رضانے

کیا سارے گستاخِ سرکار کو زیر برائے مسلمان کس نے رضانے

شہِ دوجہاں کی ثناکے گلوں سے سجایا گلستان کس نے رضانے

نہ پرواہ کی جان کی دیں کی خاطر دیا یوں بلیدان کس نے رضانے

مقدس شریعت کے قلب و جگر کا کیا پورا ارمان کس نے رضانے

دلائل سے پیچیدہ تر مسئلوں کا کیا ہے سمادھان کس نے رضانے

حیاتِ ضیابار قربان کر کے ہمارا رکھا دھیان کس نے رضانے

ہمیں مذہب بوحنیفہ کا قدسیؔ بنایا نگہبان کس نے رضانے

☆☆☆

بریلی سے رکھو رشتہ، بڑا نازک زمانہ ہے

بریلی سے رکھو رشتہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
رہو خوش بخت سرتاپا، بڑا نازک زمانہ ہے
نہ جانے کب مدینے کی ہوا آکر سما جائے
رکھو وا دل کا دروازہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
رضا کے دامنِ اقدس سے لپٹے ہی رہو ہر دم
ہے یہ عقبیٰ کا سرمایہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
رہو تا زندگی آقا کے گستاخوں سے کوسوں دور
نہ بکھرے حق کا شیرازہ، بڑا نازک زمانہ ہے
کرو ابطالِ باطل ہو کے تم بے خوف دنیا سے
رہو حق پر عمل پیرا، بڑا نازک زمانہ ہے
کہاں ہے کون ہے مسلک کا مخلص دورِ حاضر میں
عجب ہر سو ہے سنّاٹا ،بڑا نازک زمانہ ہے
بسالو خیر کی خوشبو سے اپنا نامۂ اعمال
نہ بننا شر کا دلدادہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
نہیں ہے دور وہ دن جب رضا سے جلنے والوں کو
اٹھانا ہوگا خمیازہ ،بڑا نازک زمانہ ہے

بٹھائی قلب میں جس ذات نے عظمت شہِ دیں کی
بتاؤ اس کو پیمانہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
رضا کے نام پر پلتے رہے اب ان پہ ہی حملہ
یہی ہے شانِ مردانہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
یہ ایماں دین ہے کس کی رضا کے دشمنو بولو
بڑے بنتے ہو علّامہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
مری توبہ عداوت اس رضا سے جس نے آقا کا
بنایا ہم کو دیوانہ ،بڑا نازک زمانہ ہے
رضا کا مانو احساں جس نے ہم کو یہ دیا ادراک
ہیں اصلِ دوجہاں آقا ،بڑا نازک زمانہ ہے
وہابی، دیوبندی، صلحِ کلی سب ہوئے پسپا
ہے احساں اعلیٰ حضرت کا، بڑا نازک زمانہ ہے
رضا سے ہر طرف روشن ہے یہ نام اہلِ سنت کا
رہے ان کا سدا سایہ، بڑا نازک زمانہ ہے
نبی کا معجزہ اور رب کی آیت اعلیٰ حضرت ہیں
کبھی ان سے نہ ٹکرانا، بڑا نازک زمانہ ہے

رضا کے مسلکِ حق کا تمہیں رہنا ہے پیروکار
یہی حق کا ہے کاشانہ، بڑا نازک زمانہ ہے
رضا کے دشمنوں کی ہے بڑی یہ پرخطر سازش
رہو تم ان سے چوکنا، بڑا نازک زمانہ ہے
عقائد اہل سنت کے رضا نے کردئے واضح
کوئی کیسے یہ بھولے گا، بڑا نازک زمانہ ہے
رہو سینہ سپرِ فکرِ رضا کی تم حمایت میں
ہے یہ گوہر گرانمایہ، بڑا نازک زمانہ ہے
رہے پیشِ نظر قدسیؔ وصیت اعلیٰ حضرت کی
تقاضہ ہے یہ ایماں کا، بڑا نازک زمانہ ہے

❁❁❁❁

سیداولادِرسول قدسی

نیویارک، امریکہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت اپنے ابتدائی عہد ہی میں پورے عالم اسلام کے لیے مرکز توجہ بن گئی تھی۔ علوم وفنون کی کوئی ایسی جہت نہ تھی جس پر آپ کی گہری نظر نہ ہو۔ جن مسائل کا حل دنیا پیش کرنے سے عاجز ہوجاتی آپ اُن مسائل کا حل بآسانی پیش فرمادیتے۔ پورے عالم اسلام سے آپ کی بارگاہ میں سوالات آتے اور آپ ان کے اطمینان بخش جوابات مرحمت فرماتے۔ آپ نے فقہ وافتا کے ساتھ درس وتدریس کی بھی مسند آراستہ کررکھی تھی۔ جہاں لوگ دینی مسائل میں آپ سے رجوع ہوتے وہیں طالبانِ علومِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قافلے بھی آپ کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہونے کے لیے دور دراز کا سفر کرکے آتے۔ سائل کوئی بھی ہو آپ کی بارگاہ سے مایوس نہیں لوٹتا۔ آپ کی ذات آیت الٰہی بھی تھی اور معجزۂ رسالت پناہی بھی۔ آپ نے اپنے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خیرات پائی تھی اسے تقسیم کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ آپ سائل کو نوازتے بھی تھے اور اس کی بہتری کے لیے دعائیں بھی کرتے تھے۔ آپ اخلاق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بے غبار آئینہ تھے، جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ لیا کرتا تھا۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس دینی درد سے عبارت تھی۔ آپ نے حق کو کبھی جھکنے نہیں دیا اور باطل کو کبھی سر اُٹھانے نہیں دیا۔ آپ کے دل سے یہی صدا بلند ہوتی تھی کہ کمی ہو عشقِ نبی میں کبھی خدا نہ کرے۔۔۔ اور آپ کا پیغام تھا۔۔۔۔ دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات چراغ علم بھی تھی، چراغِ عشق بھی تھی اور چراغِ ہدایت بھی۔ آپ کا سراپا علم، عمل اور عشق کے نور سے معمور تھا۔ آپ کا وجود ایک ایسے تناور درخت کی طرح تھا جس کے سائے میں آکر لوگ ہر طرح کا سکون محسوس کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ کے اہلِ عقیدت پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہیں آپ کے خلفا وتلامذہ کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے۔ آپ کے خلفا وتلامذہ کا ہر ایک فرد آج کے ہزاروں عالم پہ بھاری ہے۔ آپ کے بعد آپ کی تحریک، آپ کے مشن اور آپ کے افکار ونظریات کی تبلیغ وتشہیر میں آپ کے خلفاء وتلامذہ نے قائدانہ رول ادا کیا۔ آپ کے خلفاء وتلامذہ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آپ کی تحریک، آپ کا مشن اور آپ کا مسلک ومشرب آج پوری دنیا میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کی شکل میں جانا، پہچانا اور مانا جاتا ہے۔ آپ کے مسلک ومشرب کا حال یہ ہے کہ کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے۔

اعلیٰ حضرت کے خلفاء، تلامذہ اور مستفیدین نے مسلک اعلیٰ حضرت کے چراغ کی لو کو کبھی مدھم ہونے نہیں دیا۔ حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی اپنے اسلاف واکابر کی اسی سنت پہ شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ علمی دنیا میں اس حوالے سے ان کا تعارف بہت عام ہے۔ راقم کی ان سے ایک ہی ملاقات ہے لیکن ایک ہی ملاقات میں انھوں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ ان کی پیشانی سے علم وتقوے کا اظہار ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب ”مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات وخصوصیات“ ان کی ایک علمی کوشش ہے۔ دعا ہے کہ ان کی یہ کوشش ہر طبقے میں قبولیت حاصل کرے۔ آمین

ANJUMAN KHUDDAM-E-NOORI

Subhanpur Katoria, Distt. Banka Bihar